تاریخِ اسلام

(حصّہ دوم)

بارھویں جماعت کے لیے

96300-70

این۔ڈبلیو۔ایف۔پی ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

(حصّہ دوم)

بارھویں جماعت کے لیے

آپشن اول : خُلفائے عباسیہ

آپشن دوم : ہسپانیہ میں اُمویوں کی حکومت

پبلشرز

مکتبہ عرفانیہ، قِصّہ خوانی، پشاور

برائے

این ڈبلیو۔ایف۔پی ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

جُملہ حقوق بحق این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ ، پشاور محفوظ ہیں۔
تیار کردہ این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ ، پشاور و منظور شدہ وفاقی وزارتِ تعلیم ، حکومتِ پاکستان برائے جُملہ کالجز پاکستان

مُصنّفین :

i پروفیسر ڈاکٹر محمّد نذیر کاکاخیل ،
شعبہ سیاسیات ، پشاور یونیورسٹی

ii پروفیسر عبدالغنی چودھری،
گورنمنٹ کالج ، مردان

iii غیاث احمد صدیقی ،
لیکچرار ، گورنمنٹ کالج ، نوشہرہ

نگرانِ طباعت : محمّد حلیم ، ماہرِ مضمون ،
این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ ۔ پشاور

خطاطی : خاور بٹ ، سیالکوٹ روڈ ۔ محلہ کھوکھرکی ۔ گوجرانوالہ

طابع : مکتبہ عرفانیہ، قصہ خوانی، پشاور

مطبع : دارالادب پرنٹنگ پریس پشاور

باب	عنوان	صفحہ

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب اوّل

تحریکِ عباسیہ

شیعانِ علی نے اموی حکومت کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہ کیا اور انھوں نے خُفیہ طور پر علوی خاندان میں امامت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سانحہ کربلا کے بعد امام حسینؓ کے بیٹے امام زین العابدینؒ زندہ بچے مگر انھوں نے سیاست میں حصہ نہ لیا۔ اس پر شیعوں میں سے امیر مختار ثقفی کے حامیوں نے حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے محمدؒ بن الحنفیہ کو اپنا امام تسلیم کرلیا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے ابوہاشم عبداللہؒ امام بنے اور اموی خلفاء کے خلاف سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس طرح امامت کا منصب فاطمیوں سے علویوں میں منتقل ہوگیا۔

ابوہاشمؒ نے اپنے انتقال سے پہلے علیؒ بن عبداللہؓ بن عباسؓ کے بیٹے محمدؒ کو اپنا جانشین نامزد کردیا، کیونکہ اُن کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس طرح منصبِ خلافت و امامت علویوں سے عباسی خاندان میں منتقل ہوگیا۔

محمدؒ بن علیؒ بن عبداللہؓ بن عباسؓ نے حمیمہ (فلسطین) میں باقاعدہ خلافت کا دعویٰ کیا اور بڑی مُستعدی سے عباسیوں کے حق میں پروپیگنڈا شروع کردیا۔ محمدؒ بن علیؒ عباسی نے دعوتِ عباسی کو ایک باقاعدہ شکل دے کر اس کے لیے مکمل نظام اور قواعد وضوابط وضع کیے۔ اُس نے عباسی دعوت کو پھیلانے کے لیے جگہ جگہ داعیوں کا جال پھیلا دیا اور تمام شہروں میں ناظم مقرر کردیئے۔ ان کا تنظیمی طریقۂ کار اس طرح بنایا گیا کہ راز افشا نہ ہوسکے۔ دعوتِ عباسی کے یہ داعی عراق اور خُراسان کے مختلف شہروں میں تاجروں، مبلغوں اور پیشہ وروں کے بھیس میں سفر کرتے اور جگہ جگہ بنواُمیہ کے خلاف منافرت پھیلاتے۔ عوام کے دلوں میں یہ خیال راسخ ہوگیا کہ آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خلافت وامامت کے حقوق واپس ملنے چاہئیں۔ یہ مطالبہ عباسیوں نے اپنی تحریک کے ذریعے کیا۔ عوامی جذبات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اُنھوں نے لفظِ عباس کی بجائے لفظِ ہاشم پر زور دینا شروع کیا تاکہ اپنے آپ کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثابت کرکے تمام مُسلمانوں کو ساتھ مِلا سکیں۔

محمدؒ بن علیؒ نے انتقال سے پہلے اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم، ابوالعباس اور ابوجعفر کو سلسلہ وار جانشین مقرر کیا۔ ابراہیم کے زمانے میں یہ تحریک بڑے زور سے چلی۔ اسکی کامیابی کی بڑی وجہ اُبومسلم خُراسانی کی کوششیں تھیں

ابو مُسلم خُراسانی

ابو مُسلم ایک آزاد کردہ عجمی نژاد غلام تھا۔ اپنے آقاؤں کی وساطت سے وہ تحریکِ عباسیہ کا رُکن بنا اور اپنی ذہانت اور خدمات کے باعث محمد بن علی عباسی کا رازدار بن گیا۔ محمد بن علی عباسی کے انتقال کے بعد وُہ امام ابراہیم کا مشیرِ خاص بنا۔ امام ابراہیم نے اُسے خراسان میں اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر بھیجا اور وہاں کے سب داعیوں کو ابو مسلم کی اطاعت کا حُکم دیا۔ ایرانی لوگ بنو اُمیہ کی خالص عربی حکومت سے سخت نالاں تھے۔ ابو مُسلم نے مُنظم پراپیگنڈے سے خُراسانیوں کو عباسیوں کا حامی بنا لیا۔ آپ کی کوششوں سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد تحریکِ عباسی میں شامل ہو گئی۔

نصر بن سیار خراسان کا والی تھا۔ اُس نے ابو مُسلم اور اُس کے ساتھیوں کی حرکات سے اُموی خلیفہ مروان ثانی کو آگاہ کیا۔ مروان اُس وقت خارجیوں سے نبرد آزما تھا، اِس لیے اس طرف بروقت توجہ نہ دے سکا۔ ابو مُسلم نے عربی اور عجمی کا سوال اُٹھا کر فائدہ اُٹھایا۔ ابو مسلم کی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ اُس نے نصر کی فوجوں کو شکست دے کر خراسان کے ایک بڑے حِصّے پر قبضہ کر لیا۔

ابو مسلم اور ابراہیم کے درمیان ہونے والی خُفیہ خط و کتابت میں سے کچھ مروان ثانی کے جاسوسوں کے ہاتھ آ گئے۔ اِن سے پتہ چلا کہ ابراہیم ہی ابو مُسلم کو اُمویوں کے خلاف اقدام کرنے کے لیے اُکساتا رہا تھا۔ مروان نے ابراہیم کو گرفتار کروا کر مروا ڈالا۔

ابراہیم کے گرفتار ہونے کے بعد اُن کے دونوں بھائی ابو العباس اور ابو جعفر حمیمہ میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے اس لیے وہ وہاں سے بھاگ کر کُوفہ آ گئے۔ ابو مسلم بھی کُوفہ آ گیا اور ابو العباس کی بیعت کر کے اُنھیں امام ابراہیم کا جانشین قرار دیا۔

حکومتِ عباسیہ کا قیام

نصر کے فرار کے بعد خراسان ابو مُسلم کے قبضہ میں آ گیا جس نے عرب قبائل کے سرکردہ اشخاص کو قتل کروا دیا۔ ابو مُسلم نے قحطبہ کو عراق کی فتح کے لیے بھیجا۔ اس نے عراق کے والی یزید بن ہبیرہ کو شکست دی۔ قحطبہ کا اِنتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا حسن کوفہ میں داخل ہو گیا۔ ابو العباس اور ابو جعفر کوفہ کی فتح کے بعد کھُلم کھُلا نمودار ہوئے۔

ربیع الاوّل 132 ہجری میں ابو العباس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور کُوفہ کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خُطبہ پڑھا۔ اس سے مروان کو ایک نازک صُورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر دریائے زاب کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔ ابو العباس نے اُس کے مقابلے کے لیے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو روانہ کیا۔ 132 ہجری میں دریائے زاب کے کنارے فریقین میں ایک فیصلہ کُن

جنگ ہُوئی جس میں مروان ثانی کو شکست فاش ہُوئی اور اُموی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔

عباسی خلافت کے تین دَوّر

پہلا دَوّر 132ھ سے 247ھ تک یہ دَور رہا ہے۔ اس دَوّر میں بنو عباس کے پہلے دس خُلفاء کا عہد شامل ہے۔ یہ خُلفاء غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور اعلیٰ پایہ کے مُدبّر تھے۔ اس دَور میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کو ترقی ہُوئی۔ یہ عباسیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس میں عجمی اثر و رسُوخ کو فروغ حاصل ہُوا۔ آٹھویں خلیفہ مُعتصم نے فوج میں عربوں کی جگہ تُرکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ترک بہت زور پکڑ گئے۔

دُوسرا دَوّر 247ھ سے شروع ہو کر دو سو سال تک جاری رہا، لیکن یہ انحطاط (زوال) کا دَوّر تھا۔ اس دَوّر میں خلفاء عام طور پر کمزور رہے۔ سلطنت کا کاروبار امیر الامراء کی مرضی کے مطابق سرانجام پاتا۔ ازاں بعد دیلم کے بنی بویہ سیاہ و سُفید کے مالک بن گئے۔ یہ لوگ شیعہ تھے۔ انھوں نے محرم اور عید غدیر کی تقریبات منانی شروع کر دیں۔ 447ھ میں سلجوقیوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلمی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اس دَور میں سامانیوں اور صفاریوں کی خُود مختار سلطنتیں وجود میں آئیں۔

تیسرا دَوّر اس زمانہ میں خلیفہ کی حیثیت برائے نام تھی۔ اقتدار مکمل طور پر سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔ آخر 656ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد میں داخل ہو کر آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے بنو عباس کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

ابُوالعباس السفاح

132ھ تا 136ھ بطابق 749ء تا 753ء

ابوالعباس محمد بن علی عباسی کا بیٹا تھا۔ 104ھ کو حمیمہ کے مقام پر پیدا ہُوا اور یہیں پرورش پائی۔ شروع ہی سے تحریکِ عباسی میں شامل ہُوئے اور اس کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امام ابراہیم کی گرفتاری کے بعد اپنے بھائی ابوجعفر کے ساتھ کُوفہ چلے آئے اور وہاں ایک عباسی داعی ابوسلمہ خلال کے ہاں ٹھہرے۔ ابُومسلم خراسانی بھی کُوفہ میں اُن سے آملا۔ بنُو اُمیّہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی کی موت

سے پہلے ہی کوفہ کی جامع مسجد میں 749ء میں خلافت کے لیے آپ کی بیعت کی گئی۔ مروان ثانی کی شکست وقتل کے بعد سوائے اُندلس (سپین) کے تمام اِسلامی دُنیا کا خلیفہ آپ کو تسلیم کرلیا گیا۔

ابوالعباس نے شروع ہی میں دمشق کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ چونکہ کوفہ شیعیانِ علی کا مرکز تھا اور اُن لوگوں کی غداری اور بے وفائی مشہور تھی اس لیے وہاں رہنا آپ نے مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ عراق کے ایک قصبہ انبار کے قریب ایک نیا شہر ہاشمیہ آباد کرکے اُسے دارالخلافہ قرار دیا۔ ولایتوں کی از سرِنو تشکیل کی اور اُن کی امارتیں اپنے رشتہ داروں کے سپُرد کیں۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن اور یمامہ کو ایک ولایت قرار دے کر اپنے چچا داؤد بن علی کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ دُوسرے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا والی مقرر کیا۔ اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو جزیرہ، آذر بائیجان اور آرمینیہ کا والی مقرر کیا۔ کوفہ کی امارت اپنے بھتیجے کے سپُرد کی۔ بصرہ پر اپنے چچا سُلیمان بن علی کو مقرر کیا۔ مصر کو ابوعون اور خراسان کی ولایت کو ابومُسلم کے سپُرد کیا۔

ابوالعباس نے اپنی خلافت کے استحکام کی خاطر بڑی خُونریزی کی۔ بنُواُمیہ پر بہت زیادہ سختیاں کی گئیں۔ ابوالعباس نے حجاز میں مقیم تمام بنواُمیہ کو قتل کروا دیا اور اُن کی نعشیں سڑکوں پر پھینکوا دیں۔ عبداللہ بن علی نے شام میں تمام اُمویوں کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اُتارا۔ زندہ تو زندہ مُردے بھی اُس کے جوشِ انتقام سے بچ نہ سکے۔ امیر معاویہ، یزید، عبدالملک اور دیگر اُموی خلفاء کی قبریں کھُدوا کر اُن کی ہڈیاں چُور چُور کردیں۔ ہشام کی لاش سالم نکلی تھی، اس لیے لاش کو پہلے کوڑے لگوا کر سُولی پر لٹکا دیا اور پھر نذرِ آتش کردیا۔ صرف ایک اُموی شہزادہ عبدالرحمٰن بچ کر بھاگ نکلنے اور اُندلس پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، جہاں پر اُس نے اُموی خلافت قائم کرلی۔

ابوالعباس نے عراق کے اُمویوں کو اپنے دربار میں طلب کرکے خراسانیوں سے قتل کروا دیا۔ اس قتل و غارت اور سفاکی کے باعث وہ سفاح کے لقب سے تاریخ میں مشہور ہُوا۔ سفاح کے لفظی معنی "خونریزی" کے ہیں۔

وزارت

سفاح نے وزارت کا نیا عہدہ قائم کرکے ابوسلمہ خلال کو پہلا وزیر مقرر کیا، مگر جلد ہی سفاح کے دل میں اُس سے نفرت پیدا ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوسلمہ نے اُموی خلیفہ مروان ثانی کے قتل کے بعد خلافت کو آلِ عباس کی بجائے اولادِ علی میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی۔ سفاح کو اُس کے اِس ارادے کا علم ہوگیا۔ اِس پر ابوسلمہ کو ابومُسلم کے ذریعے ایک خراسانی سے قتل کرا دیا۔ ابوسلمہ کے قتل کے بعد وزارت کا عہدہ خالد برمکی کے سپُرد کیا گیا۔ خالد ایک عجمی

نژاد نو مسلم تھا۔ وہ بہت عقلمند اور مدبر تھا۔ وہ اور اُس کی اولاد عباسی دَور میں ایک لمبے عرصے تک منصب وزارت پر فائز رہی۔

بغاوتیں اور اُن کا انسداد

سفاح کے جبر و تشدد کے باعث بنو اُمیہ کے حامی اُمرا نے کئی جگہ بغاوتیں کیں اور کئی والیوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ موصل، آرمینیہ اور سندھ کے حاکموں نے عباسیوں کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اُن کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیے گئے اور کئی معرکوں کے بعد اُن کو مطیع کیا گیا۔

عباسیوں نے تحریک کا آغاز اہلِ بیت کے نام سے شروع کیا اس لیے شیعیانِ علی نے اُن کا ساتھ دیا، مگر بنو اُمیہ کے خاتمہ کے بعد عباسی خود خلافت پر قابض ہو گئے۔ چنانچہ بخارا کے محبانِ اہلِ بیت نے تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ بغاوت کی، لیکن ابو مسلم نے اُنھیں شکست دی۔ ایک اور خراسانی امیر بسام بن ابراہیم نے بھی اہلِ بیت کی حمایت میں علمِ بغاوت بلند کیا لیکن شکست کھائی اور قتل ہُوا۔

خارجیوں نے بھی بنو عباس کی حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ اُنھوں نے بحرین اور عمان کے علاقوں میں بغاوت کی۔ سفاح نے اپنے ایک سردار خازم کو اُن کے خلاف بھیجا جس نے کئی معرکوں کے بعد اُن کا زور توڑ دیا۔

سوالات

i. بنو عباس کون تھے؟ اُنھوں نے اُمویوں سے حکومت کیسے حاصل کی؟

ii. عہدِ بنو عباس کی خصوصیات بیان کریں۔

iii. ابو العباس سفاح کے کارنامے و سیرت بیان کریں۔

ابو جعفر المنصور

136ھ تا 158ھ مطابق 753ء تا 774ء

تخت نشینی

ابوالعباس سفاح کی وفات کے وقت منصور حج کے لیے مکہ معظمہ گیا ہُوا تھا۔ واپسی پر راستہ میں ابوالعباس سفاح کی موت کی خبر ملی چنانچہ دارالخلافہ ہاشمیہ پہنچ کر تخت نشین ہُوا۔ خلافتِ عباسیہ کی بُنیاد سفاح کے زمانے میں رکھی گئی، مگر اُسے مستقل اور مستحکم کرنے والا ابوجعفر منصور تھا۔ ابوجعفر منصور نے دُور اندیشی، سیاسی بصیرت اور تدبر کے باعث عباسی خلافت کی بُنیادوں کو اِس قدر مضبوط کیا کہ وہ پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ حکومت کرنے کے قابل ہو گئے۔

بغاوتیں

سفاح نے بنواُمیہ اور اُن کے حامیوں کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔ منصور کے عہد میں حامیانِ اہلِ بیت نے جگہ جگہ شورشیں برپا کیں۔ خُود عباسی خاندان کے چند افراد نے خلافت کا دعویٰ کر کے فتنے کھڑے کیے، مگر منصور نے عزم و ہمت سے کام لے کر اِن تمام بغاوتوں پر قابو پا لیا۔ اِن بغاوتوں کا حال درج ذیل ہے :

عبداللہ بن علی کی بغاوت

عبداللہ بن علی نے دریائے زاب کی لڑائی میں آخری اُموی خلیفہ مروان ثانی کو شکست دے کر عباسی حکومت قائم کی تھی۔ اُس نے لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سفاح نے معرکۂ زاب سے پہلے اُسے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ چُنانچہ سفاح کی وفات پر بہت سے لوگوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ منصور نے ابومسلم خراسانی کو اُس کے خلاف روانہ کیا۔ نصیبین کے مقام پر دونوں فوجوں میں خُونریز جنگ ہُوئی۔ عبداللہ بن علی نے شکست کھائی اور بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان بن علی حاکم بصرہ کے ہاں پناہ لی۔ سُلیمان نے منصور سے اُس کی امان کا وعدہ لے لیا، لیکن جب وہ دوبارہ دربارِ خلافت میں حاضر ہُوا تو منصور نے اُسے گرفتار کر لیا۔ نمک کی بُنیادوں پر ایک مکان تعمیر کروا کے عبداللہ کو اُس میں نظر بند کر دیا۔ پہلی ہی بارش میں مکان گر گیا اور عبداللہ ملبے کے نیچے آ کر مر گیا۔ اس طرح منصور نے خلافت کے دعویدار عبداللہ بن علی سے نجات حاصل کر لی۔

ابومُسلم کا قتل

منصور شروع ہی سے ابومسلم کو اپنے خاندان کے لیے ایک خطرہ تصور کرتا تھا۔ 136ھ میں منصور کو سفاح نے امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ ابومسلم بھی حج کے قافلے

میں تھا۔ راستے میں ابُومسلم نے اپنی فیاضی اور شان و شوکت کے مظاہرے کیے۔ اس طرح تمام لوگ اُس کی طرف متوجہ تھے، جب کہ منصور کو کسی نے توجہ نہ دی۔ ابُومسلم کی اِس عزت و توقیر پر منصور کو بہت غصّہ آیا اور اُس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ ابُومسلم کا خاتمہ کر کے دَم لے گا۔

سفاح کی وفات پر منصور خلیفہ بنا تو اُس کے چچا عبداللہ بن علی نے بغاوت کی۔ ابُومسلم خُراسانی نے اُسے شکست دی، مگر جب یہ بغاوت فرو ہو گئی تو منصور نے مالِ غنیمت لینے کے لیے اپنے آدمی ابُومسلم کے پاس بھیج دیے۔ ابُومسلم کو بہت غصّہ آیا اور کہا کہ مرنے مارنے کے لیے ہمیں بھیجا جاتا ہے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے خلیفہ آگے آجاتا ہے۔ اِس واقعہ سے دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہو گئی۔

ابُومسلم اپنے آپ کو عباسی خلافت کا بانی سمجھتا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اُس کے بغیر یہ حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ منصور کی پرواہ نہیں کرتا تھا اور اپنی مَن مانی کرتا تھا۔ شام کی فتح کے بعد منصور نے ابُومسلم کو شام اور مصر کا والی مقرر کر دیا۔ اس تبدیلی پر ابُومسلم بگڑ گیا اور کہا کہ مجھے شام اور مصر کا والی ہونا منظور نہیں۔ خراسان میرا وطن ہے، مَیں ضرور واپس جاؤں گا۔ چنانچہ وہ ایک فوج لے کر خراسان روانہ ہو گیا۔ منصور نے اُسے لکھا کہ وہ دارالخلافہ آئے تاکہ غلط فہمیاں دُور کی جا سکیں، لیکن ابُومسلم نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اِس سے منصور اور بھی خوف زدہ ہُوا اور چند سرداروں کو اُس کے پاس بھیجا۔ اس طرح اُسے حیلوں، بہانوں سے پایۂ تخت لے آئے۔ منصور نے ابُومسلم کا شاندار استقبال کیا۔ اِس حُسنِ سلوک سے جب ابُومسلم کا دل صاف ہو گیا تو وہ بے دھڑک دربار میں آنے جانے لگا۔ شعبان 137ھ میں ایک دن منصور نے مسلح سپاہیوں کو پردے کے پیچھے کھڑا کر کے حکم دیا کہ جب وہ تالی بجائے تو پردے سے باہر آکر ابومسلم کو قتل کر دیں۔

جب ابُومسلم آیا تو منصور نے پہلے اِس پر الزامات عائد کیے اور پھر کہا کہ تم عجمی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو آلِ عباس سمجھتے ہو۔ پھر اُس نے تالی بجائی اور مسلح سپاہیوں نے پردے سے باہر نکل کر اُسے قتل کر دیا۔

اہلِ خراسان کی بغاوتیں

ابومسلم کے قتل پر پایۂ تخت میں موجود خُراسانیوں نے بغاوت کر کے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا، مگر منصور نے اُنھیں انعام و اکرام اور عطیے دے کر خاموش کرا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد والئ خراسان عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے بغاوت کر کے منصور کے چند افسروں کو قتل کروا دیا۔ منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو اُس کے خلاف فوج کشی کے لیے روانہ کیا۔ عبدالجبار نے شکست کھائی اور گرفتار ہُوا۔ گرفتاری کے بعد منصور نے اُسے قتل کروا دیا۔

خوارج کی بغاوت

موصل اور بحرین خارجیوں کے دو بڑے مراکز تھے۔ ایک خارجی سردار حسان بن مجالد ہمدانی نے مُوصل میں بغاوت کر دی اور

اِردگرد کے علاقوں میں لُوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ شاہی افواج کو بھی اُس کا مقابلہ کرنے میں شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حسان نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ آخر امام ابو حنیفہؒ نے ثالثی کے فرائض انجام دے کر فریقین میں صُلح کرادی اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہو گئی۔

افریقہ کی بغاوت

افریقہ کے بربری قبائل خارجی عقائد رکھتے تھے۔ اُنھوں نے بغاوت کر کے وہاں کے عباسی حاکم ابن اشعث کو بھگا دیا اور مُوسیٰ خراسانی کو اپنا والی بنا لیا۔ منصور نے نامور جرنیل اغلب کو افریقہ کا والی بنا کر بھیجا، لیکن وہ خارجیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے قیروان کے معرکے میں مارا گیا۔

اغلب کے بعد ابنِ حفص کو افریقہ کا والی بنا کر بھیجا گیا لیکن باغی بربریوں نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا اور قیروان پر خارجی اقتدار قائم ہو گیا۔

آخر منصور نے یزید بن حاتم کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ افریقہ روانہ کیا۔ کئی خُونریز معرکوں میں بربریوں کو شکست دے کر اُس نے افریقہ میں امن وامان بحال کیا۔

سَنباد کی بغاوت

عجم کے ایک سردار فیروز سنباد نے بغاوت کر دی اور مجوسیوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ چڑھائی کر کے خراسان کے ایک بڑے حصّے پر قبضہ کر لیا۔ منصور نے جمہور نامی ایک سردار کو اُس کی سرکوبی کے لیے بھیجا جس نے ہمدان کے مقام پر مجوسیوں کو شکست دے کر بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔ جمہور نے مالِ غنیمت دربارِ خلافت میں جمع کرنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے جمہور کو سزا دینے کے لیے محمد ابن اشعث کو بھیجا، جس نے اس پر حملہ کر کے اُسے آذر بائیجان کی طرف بھگا دیا۔ یہ 138ھ کا واقعہ ہے۔

فرقہ راوندیہ کی بغاوت

141ھ میں عجم کے ایک فرقے راوندیہ نے شورش کر کے منصور کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ منصور کے لیے یہ موقع بہت نازک تھا۔ خوش قسمتی سے ایک شخص معن بن زائدہ جو ایک جُرم کی بناء پر منصور کے خوف سے رُوپوش تھا، موقع پر پہنچ گیا اور اُس نے چند خراسانیوں کی مدد سے شورش پسندوں کو مار بھگایا۔ منصور نے معن بن زائدہ کی بہادری سے خوش ہو کر اُسے "شیر مرد" کا خطاب دیا اور اُس کی خطا معاف کر کے سپہ سالاری کے عُہدے پر فائز کر دیا۔

اُستاد سیس کا دعویٰ نبوّت

خراساں میں ایک شخص اُستاد سیس نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ اُستاد سیس نے خُراسان کے اکثر حصّوں

پر قبضہ کر لیا۔ ہرات، بادغیس اور سجستان کے اکثر باشندوں نے اُسے نبی قبول کر لیا جس سے اُس کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ منصور نے اُس کی سرکوبی پر ابنِ خازم کو روانہ کیا جس نے کئی ماہ کی جدوجہد کے بعد اُستاذ سیس کو زندہ گرفتار کر لیا۔

علویوں کی بغاوتیں

مُحبانِ اہلِ بیت نے عباسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ انھیں توقع تھی کہ بنو عباس سے تعاون کرنے سے خلافت یقینی طور پر بنو فاطمہ کے ہاں مُنتقل ہو جائے گی، لیکن اُمویوں کی شکست کے بعد جب بنو عباس کی خلافت قائم ہوئی تو اُن کی ساری اُمیدیں خاک میں مِل گئیں، اِس لیے وہ عباسیوں کے مخالف ہو گئے۔ منصور کے زمانے میں علوی اور عباسی کشمکش نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔

امام مُحمّد بن عبداللہ نفسِ ذکیہ کی بغاوت

بنو اُمیّہ کے آخری حکمران مردان ثانی کے عہد میں بنو ہاشم کے اکثر حامیوں نے محمّد بن عبداللہ جو بنو ہاشم کے اکابرین میں سے تھے، کو مہدی تسلیم کر لیا۔ لوگ اُنھیں زُہد و تقویٰ کے باعث نفسِ ذکیہ کے لقب سے پُکارتے تھے۔ اِن لوگوں میں سفاح اور منصور بھی شامل تھے۔ اُمویوں کے خاتمہ کے بعد جب سفاح نے خلافت کا اعلان کیا تو نفسِ ذکیہ نے اُن کی بیعت سے انکار کر دیا، کیونکہ اُن پر یہ بات آشکارا ہو گئی تھی کہ اہلِ بَیت کی آڑ میں اُنھوں نے عباسی خلافت قائم کی ہے۔ نفسِ ذکیہ خود خلافت کے قیام کے لیے کوشش کرنے لگے، لیکن سفاح کی درخواست پر نفسِ ذکیہ نے سفاح کی مخالفت چھوڑ دی۔ نفسِ ذکیہ کے ایک اور بھائی ابراہیم بن عبداللہ بھی عوام میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ خراسان کی ایک جماعت نے اُنھیں اپنا امام تسلیم کر لیا۔

سفاح کے بعد منصور تخت نشین ہُوا تو نفسِ ذکیہ نے اپنی خلافت کے لیے دوبارہ کوششیں شروع کر دیں۔ اُدھر منصور کو بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے نفسِ ذکیہ اور اس کے بھائی کی گرفتاری کے لیے احکامات جاری کیے۔ مدینہ کے والی زیاد بن عبداللہ اور محمد بن عبداللہ اُنھیں گرفتار کرنے میں ناکام رہے کیونکہ یہ دونوں بھائی کِسی خاص مقام پر ٹھہرنے کی بجائے ایک جگہ سے دُوسری جگہ مُنتقل ہوتے رہتے تھے۔ منصور نے رباح بن عثمان کو مدینہ کا والی مقرر کیا، لیکن وہ بھی اُن کی کھوج لگانے میں ناکام رہا۔ رباح نے اُن کے تیرہ رشتہ داروں کو گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیج دیا۔ منصور نے اُن پر بے جا سختیاں کیں۔ نفسِ ذکیہ یہ صُورتِ حال دیکھ کر ڈھائی سو جان نثاروں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہُوئے۔ اہلِ مدینہ نے اُن کا اِستقبال کیا اور وہاں کے عباسی حاکم رباح بن عثمان کو قید کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔

نفسِ ذکیہ کی تجویز یہ تھی کہ جس روز وہ مدینہ میں داخل ہوں گے، اُسی دن ابراہیم بصرہ میں علمِ بغاوت بُلند کریں گے تاکہ منصور کی افواج تقسیم ہو جائیں۔ مگر ابراہیم کے اچانک بیمار ہو جانے کے باعث یہ تجویز قابلِ عمل نہ ہو سکی۔ منصور نے قوّت و جبروت کا خوف دلا کر نفسِ ذکیہ کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر اُسے ناکامی ہُوئی۔ بعدازاں منصور نے اُن کو جاں بخشی کی پیش کش کے ساتھ زندگی بھر کے لیے معقول وظیفہ مقرر کرنے کا لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں۔ نفسِ ذکیہ نے منصور کے خط کے جواب میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے فضائل بیان کر کے خلافت کو بنی فاطمہ کی میراث قرار دیا اور بنوعباس کو ظالم اور غاصب کا لقب دیا اور مزید یہ لکھا کہ کیا یہ وہی امان تو نہیں ہے جو تم نے اپنے چچا عبداللہ بن علی اور محسن ابومسلم خراسانی کو دی تھی۔

منصور نے نفسِ ذکیہ کے مراسلے کے جواب میں میراثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر علویوں کے مقابلے میں عباسیوں کے حق کو فائق قرار دیا۔ اِس خط و کتابت کے بعد فریقین نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ منصور نے کوفہ اور خراسان کے راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تاکہ نفسِ ذکیہ کو مدد نہ پہنچ سکے، اور ساتھ ہی ولی عہد عیسٰی بن موسٰی کو ایک لشکر کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ عیسٰی بن موسٰی نے مدینہ کا محاصرہ کر دیا۔ نفسِ ذکیہ مختصر جماعت کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ لوگ بڑی بہادری سے لڑے مگر شکست کھائی۔ نفسِ ذکیہ میدان میں کام آئے۔ اُن کا سَر تن سے جُدا کر کے منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ عیسٰی نے عام لوگوں کو معافی دے دی مگر بنی حسن کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔

ابراہیم بن عبداللہ کا قتل

ابراہیم بن عبداللہ نے تندرست ہونے پر اہلِ بصرہ سے نفسِ ذکیہ کی بیعت لے کر بغاوت کر دیا اور بصرہ سے اہواز تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں نفسِ ذکیہ کے قتل کی اطلاع آگئی جس سے اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور بصرہ چھوڑ کر کوفہ روانہ ہوئے۔ اس وقت اُن کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ فوج تھی عیسیٰ بن موسیٰ کو نفسِ ذکیہ کی مہم سے فارغ ہونے پر منصور نے ابراہیم کی سرکوبی کا حکم دیا۔ باخمریٰ کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ جنگ میں ابراہیم قتل کر دیے گئے اور اُن کا سر کاٹ کر دارالخلافہ بھیج دیا گیا۔

اِبراہیم کی شکست کے بعد منصور نے اُن کے خاندان کے دیگر افراد کو اِنتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا۔ اُن کی جائیدادیں ضبط کر دیں اور خاندان کے تمام افراد کو قید میں ڈال دیا۔ امام مالکؒ کو کوڑے لگائے گئے اور امام ابوحنیفہؒ کو قید میں ڈال دیا گیا۔

سفاح نے اپنے بعد منصور اور عیسیٰ ابن موسیٰ کو بالترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا۔

ولی عہدی منصور نے شروع میں وصیت کا احترام کیا اور عیسیٰ کو اپنے دائیں جانب بٹھاتا رہا، مگر بعد میں اُس نے عیسیٰ کو مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ خود کی بجائے منصور کے لڑکے مہدی کو سلطنت کا ولی عہد تسلیم کرے۔ وہ اس پر رضامند نہ ہُوا۔ لہٰذا منصور نے اُس کا رُتبہ گھٹانا شروع کر دیا اور 147ھ میں عیسیٰ کی بجائے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد نامزد کر دیا۔

منصور کا اِنتظامِ سلطنت اور کارہائے نُمایاں

ابو جعفر منصور نے عباسی خلافت کو ایک ٹھوس نظامِ حکومت مُہیّا کیا۔ ہر قسم کے فِتنہ و فساد اور بغاوتوں کا خاتمہ کر کے ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔ اُس نے حکومت کے انتظامی شُعبوں میں ذاتی دلچسپی لی۔ دیکھ بھال اور نگرانی سے نظم و نسق کو بہتر بنایا۔

نظامِ حکومت

وزارت: بنو اُمیہ کے عہد میں وزارت کا عہدہ نہیں ہُوا کرتا تھا۔ ابوالعباس۔ نے اس منصب کو قائم کر کے ابو سلمہ اور اُس کے بعد خالد برمکی کو وزیر مقرر کیا۔

حاجب کا تقرر منصور نے حاجب کا نیا عُہدہ قائم کیا۔ اِس منصب پر خلیفہ کے مُعتمد شخص کو مُقرر کیا جاتا۔ کوئی شخص حاجب کی اجازت کے بغیر خلیفہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بڑی بڑی مُہمات میں وزیر کی طرح حاجب سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔

کاتب کاتب کا عُہدہ بھی نہایت اہم تھا۔ اُس کی حیثیت موجودہ زمانے کے سیکرٹری کی سی ہوتی تھی۔ یہ خلیفہ کی طرف سے والیوں اور دیگر عاملوں کو احکام جاری کرتا تھا، نیز ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں سے خط و کتابت اِس کے ذریعے ہی سے ہوتی تھی۔

وِلایتی حد بندی بنو اُمیہ کے دَور میں صوبائی حُدود متعین نہ تھیں۔ کبھی دو وِلایتوں کا ایک والی مقرر کر دیا جاتا اور کبھی ایک ولایت کے دو حصے کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ والی مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ منصور نے ولایتوں کی مستقل حَد بندی کی۔ اور والیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتا رہتا تاکہ کوئی سازش نہ ہو سکے اور یہ لوگ اپنے عُہدہ کو موروثی نہ بنا سکیں۔

فوجی انتظام فوجی نظام کم و بیش اُسی طریق پر جاری رہا جو بنو اُمیہ کے عہد میں رائج تھا۔ اِتنا

فرق ضرور آیا کہ فوج کی قیادت عربوں کے ہاتھ سے نکل کر خراسانیوں کے قبضہ میں آگئی۔ بنو اُمیہ کے زمانہ میں فوج میں زیادہ تر عرب سپاہی ہُوا کرتے تھے، لیکن بنو عباس نے چونکہ خراسانیوں کی مدد سے خلافت قائم کی تھی اس لیے اُنھوں نے اہلِ خراسان کو عربوں پر فوقیت دی۔ خراسانی افواج کا سپہ سالار ابُو مسلم تھا اور عربی سپاہ کی کمان عبداللہ بن علی کے پاس تھی۔

اِن دونوں جرنیلوں کے خاتمہ کے بعد منصور نے اپنے خاندان کے بااعتماد افراد کو سپہ سالاری کے فرائض سونپے۔ بنی حسن کی بغاوتوں کے زمانے میں افواج کی کمان ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کے ہاتھ میں تھی۔

علمی ترقی

منصور خُود ایک بہت بلند پایہ عالم تھا۔ اُس کے دَورِ خلافت میں بہت علمی و ادبی ترقی ہُوئی۔ اُس کے کہنے پر امام مالکؒ نے موطا تالیف کی۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام مُحمّدؒ نے فِقہ پر کتابیں لکھیں۔

توسیعِ سلطنت

منصور نے تمام بغاوتوں کا اِستیصال کیا۔ نئے علاقے سندھ، کوہستان، طبرستان اور سرحدِ رُوم وغیرہ فتح کیے۔ اس طرح سے منصور نے عباسی خلافت کی حُدود میں بہت توسیع کی۔

بغداد کی تعمیر

سفاح نے انبار کے نزدیک ہاشمیہ کو دارالخلافہ بنایا تھا، لیکن منصور اس مقام کو محفوظ خیال نہیں کرتا تھا کیونکہ بصرہ و کُوفہ کے شہر یہاں سے نزدیک تھے اور عراق کے لوگوں کی غدّار فطرت سے وہ واقف تھا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد منصور نے دریائے دجلہ کے کنارے بغداد کے قدیم قصبہ کے نزدیک ایک جگہ مُنتخب کی اور وہاں تیزی سے اپنا دارالخلافہ تعمیر کروانا شروع کیا۔ روایت ہے کہ بغداد نوشیروانِ عادل کا گرمائی پایہ تخت تھا اور اُس کے عدل و انصاف کے باعث اس شہر کا نام "باغِ داد" پڑ گیا تھا۔ منصور کے عہد میں بغداد دو حصّوں میں تقسیم تھا۔ ایک حصّہ اُس کے اپنے نام پر منصوریہ کہلاتا تھا اور دُوسرا حصّہ اپنے ولی عہد بیٹے کے نام پر مہدیہ کہلاتا تھا۔ شہر کے وسط میں جامع مسجد تھی جس کے مُتصل قصرِ خلافت تعمیر کیا گیا تھا۔ شہر میں پانی کی فراہمی کے لیے ایک نہر دریائے دجلہ سے اور دُوسری نہر دریائے فرات سے کھُدوائی گئی تھی۔

قصرِ خلافت کے علاوہ منصور نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک محل تعمیر کرایا جس کا نام "خلد" رکھا گیا۔ اس محل کے ساتھ بہت سے باغات لگوائے گئے۔ شہر کے اِرد گِرد ایک مضبُوط فصیل بنوا کر خندق کھُدوائی تاکہ حملہ آور دارالخلافہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ بغداد کا شہر مشرق کے ایک عظیم ترین شہر کی حیثیت

اختیار کر گیا۔ اور یہ صدیوں تک علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا رہا۔ اپنی اِن خوبیوں کی بنا پر یہ شہر "عروس البلاد" کہلایا جاتا تھا۔

خلافت کا رُوحانی لبادہ

بنی حسن کے استیصال کے بعد منصور نے عباسی خلفاء کو دُنیاوی بادشاہت کے ساتھ اِسلام کے رُوحانی پیشوا بھی قرار دیا۔ اپنے اِس خیال کی حمایت میں اُس نے مشہور عالموں سے فتوے حاصل کر لیے۔ سیاسی قوت اور غلبہ کھو جانے کے باوجود بھی اپنے رُوحانی تقدّس کی بدولت عباسی خلافت صدیوں بعد تک مرکزِ اسلام کی حیثیت سے قائم رہی۔

منصُور کی وفات

158ھ میں منصور حج کو جا رہا تھا کہ راستے میں بیمار ہو کر انتقال کر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُسے دفن کرنے کے لیے سو قبریں کھودی گئیں لیکن اُن میں سے ایک قبر میں اُسے خُفیہ طور پر دفن کر دیا گیا تاکہ کسی شخص کو اُس کی اصلی قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ اہتمام اِس لیے کیا گیا تاکہ خلفائے بنو اُمیہ کی نعشوں کی طرح منصور کی میت کے ساتھ بھی کوئی ناروا سلوک نہ کیا جا سکے۔

سوالات

i۔ ابو جعفر المنصور کو تخت نشین ہونے پر جو مشکلات پیش آئی تھیں وہ اُن سے نمٹنے میں کیسے کامیاب ہُوا تھا؟

ii۔ ابو مسلم خراسانی نے عباسی خلافت کے قیام میں کیا خدمات سر انجام دیں؟ اُس کے زوال کا حال بھی بیان کریں۔

iii۔ ابو جعفر المنصور کے علویوں سے تعلقات بیان کریں۔ نیز اُن کی بغاوتیں کُچلنے کے لیے اُس نے جو اقدامات کیے اُن کا تفصیل سے ذکر کریں۔

iv۔ "ابو جعفر المنصور بنو عباسیہ کا حقیقی بانی تھا۔" اس پر وضاحت سے روشنی ڈالیں۔

باب دوم

مہدی

158ھ تا 169ھ بطابق 774ء تا 785ء

منصور کی وفات کے بعد اُس کا لڑکا محمد الملقب بہ مہدی ذی الحج 158ھ میں تخت نشین ہُوا۔ منصور کی زندگی میں مہدی کئی محاذوں پر سپہ سالاری کے فرائض انجام دے چکا تھا۔ چار برس تک ولایت رے کا والی رہا۔ سفاح کی وصیت کے مطابق منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو تخت و تاج کا وارث بننا چاہیئے تھا، مگر 147ھ میں منصور نے زبردستی سے اُس کی ولی عہدی منسوخ کر کے مہدی کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ تخت نشین ہونے کے فوراً بعد مہدی نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور اُن کی جائیدادیں اُن کو واپس کر دیں۔ خلیفہ کے اِس رحمدلانہ طرزِ عمل پر رعایا بہت خوش ہُوئی۔ منصور نے اپنے عہدِ خلافت میں تمام مخالفین کا خاتمہ کر دیا تھا، اس لیے مہدی کو تخت نشینی کے بعد کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اُس کا دَور امن و امان کا دَور تھا، اس لیے اُس نے اپنی تمام تر توجہ اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ اُس کے عہد کے اہم واقعات مندرجہ ذیل ہیں:

"مقنع" کا دعویٰ خدائی

مہدی کے عہد میں ایک خراسانی مُلحد ہاشم بن حاکم نے خدائی کا دعویٰ کر کے بغاوت کر دی۔ یہ شخص مرو کا رہنے والا تھا اور ابو مُسلم کے دربار میں کاتب تھا۔ وہ بہت بدصُورت تھا اس لیے ہر وقت چہرے پر نقاب اوڑھے رکھتا جس کی وجہ سے اُس کا نام "مقنع" نقاب پوش پڑ گیا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل آدم علیہ السلام میں حلول کیا اور بعد میں حضرت نوح علیہ السلام میں داخل ہُوا۔ اس طرح وہ مُنتقل ہوتا ہُوا آخر کار ابو مسلم خراسانی کے رُوپ میں ظاہر ہُوا اور اَب مقنع کی ذات میں ظاہر ہے۔ یہ شخص ذہین اور شُعبدہ باز تھا۔ اُس نے "ماورا نہر" کے قریب نخشب کے کنوئیں سے ایک مصنوعی چاند نکالا جس کی روشنی دُور دُور تک پھیل جاتی تھی۔

اِس قسم کے شعبدوں کے باعث اکثر لوگ اُسے خُدا سمجھ کر پرستش کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ اُس کی جماعت نے چند شہروں پر قبضہ کر کے خلیفہ کی فوج کی مزاحمت شروع کر دی۔ مہدی نے اِس فتنہ کے سدِّباب کے لیے اپنے جرنیل ابوعون کو بھیجا مگر مُشرکین کی بے پناہ قوّت کے سامنے وہ ناکام رہا۔

آخر مسیب بن زہیر کو اُس کے خلاف بھیجا گیا۔ مسیب نے مقنع اور اُس کے ساتھیوں کا محاصرہ کرلیا۔ تیس ہزار ملحدوں نے مسیب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور مقنع نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر اپنے اہل و عیال کو زہر دے کر ہلاک کر دیا اور خود بھی آگ میں کُود کر جان دے دی۔

رُومیوں کے ساتھ جنگیں

163ھ میں مہدی نے ایک عظیم الشان لشکر لے کر رُومیوں پر حملہ کر دیا اور اُن کے کئی شہر فتح کر لیے۔ 165ھ میں مہدی نے اپنے دوسرے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے روانہ کیا۔ رُومیوں نے نوّے ہزار دینار سالانہ خراج کی ادائیگی پر صُلح کر لی مگر اگلے سال خراج دینے سے انکار کر دیا۔

جزیرہ کے والی سلیمان بن علی کو رومیوں کو اس بدعہدی کا مزہ چکھانے کے لیے بھیجا گیا، جس نے انھیں شکست دی اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔

وفات

محرم 169ھ میں مہدی نے وفات پائی۔ مرنے سے پہلے اُس نے اپنے دونوں بیٹوں مُوسیٰ الہادی اور ہارون الرشید کو ولی عہد مقرر کیا۔

ہادی

169ھ تا 170ھ بمطابق 785ء تا 786ء

مہدی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ہادی تخت نشین ہُوا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی ملحدوں اور زندیقوں کا دشمن تھا۔ اُس نے اپنے دربار سے دربان کو ہٹا دیا اور فریادی بِلا روک ٹوک اُس کے پاس آنے جانے لگے۔ اُسے صرف ایک سال حکومت کرنے کا موقع ملا۔ علویوں نے تبدیلئ خلافت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسین بن علی بن حسن دوم کی قیادت میں بغاوت کی حسین بن علی نے مدینہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا، اور والئ مدینہ کو شکست دے کر خزانہ پر قبضہ کرلیا۔ والی مدینہ کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح اس بغاوت کا خاتمہ ہوگیا۔ مہدی کی وصیت کے مطابق ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا، لیکن ہادی نے اُس کی بجائے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور 15 ربیع الاول 786ء میں ایک سال کی حکومت کے بعد اس نے وفات پائی۔

سوالات

i۔ مہدی کے عہدِ حکومت کے حالات بیان کریں؟
ii۔ مہدی نے منصور کی پالیسی کس حد تک کامیابی سے بدلی؟
iii۔ ہادی کے عہدِ حکومت کے حالات بیان کریں؟

ہارون الرشید

170ھ تا 193ھ بطابق 786ء تا 809ء

ہادی کی وفات کے بعد ہارون ربیع الاول 170ھ بطابق 786ء خلیفہ بنا۔ تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر 22 سال تھی۔ حکمرانی اور جہانبانی کے میدان میں اُس کے باپ نے اُس کی بڑی عمدہ تربیت کی تھی۔ وہ آرمینیہ اور رُوم کے سرحدی علاقوں کا والی رہ چکا تھا۔ 165ھ میں ایک لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی مہم پر بھیجا گیا جس میں وہ فتح یاب ہُوا اور رُومیوں کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ مہدی کے بعد ہادی خلیفہ بنا تو اُس نے ہارون کی ولی عہدی منسوخ کر کے اپنے بیٹے جعفر کو جانشین نامزد کرنے کی بہت کوشش کی، مگر اُس کے قابل اور ہوشیار اتالیق یحییٰ برمکی نے ہادی کو اِس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ ابتدائی تین سالوں میں یحییٰ برمکی اور ہارون کی ماں ملکہ خیزران مُلکی امور میں سیاہ اور سُفید کے مالک تھے۔ ہارون کے دَور کو بنو عباس کا شاندار دَور کہا جاتا ہے۔ اِس دَور میں علمی، ادبی، تہذیبی ثقافتی اور سائنسی علوم میں ترقیاں ہُوئیں۔ ہارون کے دَور میں مندرجہ ذیل واقعات پیش آئے:

علویوں کی بغاوتیں

ہارون نے آلِ علیؓ سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ اُن پر قید و بند کی پابندیاں اُٹھا دیں۔ نظر بند اور زیرِ حراست لوگوں کو آزاد کر کے واپس مدینہ جانے کی اجازت دی۔ اُن کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کر دیں۔ مگر اس حُسنِ سلوک کے باوجود علویوں نے بغاوتیں کر کے خلافت حاصل کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔

176ھ میں نفسِ ذکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم کے علاقے میں اپنی امارت کی بیعت لے کر بغاوت کر دی۔ چند ہی دنوں میں حامیوں کی ایک بڑی تعداد جمع کر لی۔ ہارون نے فضل برمکی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا، لیکن فضل برمکی نے جنگ کی بجائے سمجھا بُجھا کر یحییٰ کو صُلح پر آمادہ کر لیا۔ صُلح نامے پر خلیفہ نے دستخط کیے اور عُلماء و فُضلاء کے دستخط بھی کرائے گئے۔ فضل اُنھیں ساتھ لے کر بغداد آ گیا۔ ہارون نے نہایت گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا اور انعام و اکرام سے یحییٰ بن عبداللہ کو مالا مال کر دیا لیکن محکمۂ جاسوسی نے اطلاع دی کہ وہ دوبارہ بغاوت پر آمادہ ہے۔ اِس لیے اُسے قید میں ڈال دیا گیا اور قید ہی کی حالت میں مدینہ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

ادریسی حکومت کا قیام

ہادی کے زمانے میں یحییٰ بن عبداللہ کے ایک اور بھائی ادریس بھاگ کر افریقہ چلے گئے تھے۔ علاقہ فاس کے باشندوں نے اُن

کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُنھیں امام تسلیم کر لیا۔ 169ھ میں اُنھوں نے افریقہ میں ادریسی حکومت کی بُنیاد ڈالی۔ ہارون نے لشکر کشی کی بجائے اپنے ایک غلام شاخ کو بھیجا تاکہ ادریس کا خاتمہ کر دے۔ شاخ نے ادریس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مشیرِ خاص بنا یا گیا لیکن بعد میں اُس نے زہر دے کر ادریس کا خاتمہ کروا دیا۔ ادریس کی وفات کے بعد اُن کا ایک لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام ادریس ثانی رکھا گیا۔ اہلِ فاس نے نومولود بچّے کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُسے امام تسلیم کر لیا اور مشیر کاروبارِ سلطنت چلانے لگے۔ اِس طرح افریقہ کا یہ حصّہ بنو عباس کی سلطنت سے نکل گیا۔ عباسی اپنی ابتدائی اندرونی مشکلات کی وجہ سے اس سلطنت کو ختم کرنے کے لیے اقدامات نہ اُٹھا سکے۔ البتہ ہارون نے اہلِ بیت پر کڑی نگرانی شروع کر دی۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں نظر بند کر دیا گیا۔

اہلِ افریقہ کی بغاوتیں

177ھ میں ہارون الرشید نے فضل بن رُوح کو افریقہ کا والی مقرر کیا اور اُس کے بھتیجے مُغیرہ کو تیونس کا امیر بنایا۔ تیونس کے عوام اور فوج نے مغیرہ کے رویہ سے تنگ آکر فضل بن رُوح سے اُس کی معزولی کا مطالبہ کیا لیکن فضل نے اُن کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ اس پر وہاں کے لوگوں نے ایک رئیس عبداللہ بن جارود کی سرکردگی میں بغاوت کر کے مغیرہ کو وہاں سے نکال دیا اور کسی قابل آدمی کے حاکم بنانے کا مطالبہ کیا۔

اس پر فضل نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ کو تیونس کا حکام بناکر بھیجا، لیکن اس سے ابن جاردو اور عوام مطمئن نہ ہوئے اور بغاوت کر کے عبداللہ اور اس کے متعدد ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ اب ابن جاردو نے ایک زبردست جمعیت فراہم کر لی اور قیروان پر حملہ کر کے فضل بن رُوح کو شکست دے کر خود قابض ہوگیا۔ ہارون نے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ کو ابن جارود کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا جنھوں نے پے درپے معرکوں کے بعد ابن جارود کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا جہاں اُسے قید کر دیا گیا۔ لیکن چھوٹی چھوٹی بغاوتیں پھر بھی جاری رہیں۔ ہرثمہ نے تنگ آکر افریقہ کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا۔ ہارون نے ابن مقاتل کو افریقہ کا والی بناکر بھیجا۔

ابنِ مقاتل سخت مزاج اِنسان تھا۔ اُس کے سخت رویّہ کی وجہ سے افریقہ میں دوبارہ بغاوت ہوگئی۔ ابنِ مقاتل مقابلہ کرتے کرتے عاجز آگیا اور بھاگ کر طرابلس میں پناہ لی۔ اِس دوران ابراہیم بن اغلب نے اس مُہم پر جانے کے لیے اپنی خدمات ہارون کو پیش کیں اور افریقہ جا کر بغاوتیں فرو کر کے امن و امان بحال کر دیا۔ ہارون اُس کی بہادری اور تدبّر سے مُتاثر ہُوا اور افریقہ کی امارت اُس کی تحویل میں دے دی۔ اُس نے وہاں ایک نیم مختار حکومت کی بُنیاد رکھی اور خلیفہ کو چالیس ہزار درہم خراج ادا کرتا رہا۔

خارجیوں کی بغاوتیں

ایک مشہور خارجی سردار ولید بن ظریف نے 178ھ میں جزیرہ میں بغاوت کردی اور شاہی افواج کو بارہا شکست دی ہارون نے معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید شیبانی کو اُس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ولید اور یزید ہم قبیلہ تھے لہٰذا وہ آپس میں لڑنے کی بجائے صُلح کی تدبیر سوچنے لگے۔ ہارون کو پتہ چلا تو اس نے یزید کو حکم دیا کہ ولید کا جلد خاتمہ کیا جائے۔ اس طرح دونوں میں جنگ ہُوئی۔ ولید مارا گیا اور اس طرح یہ خارجی فتنہ دبا دیا گیا۔

شام، سندھ اور موصل کی بغاوتیں

شام کے یمنی اور مضری قبائل کے درمیان 176ھ میں جنگ چھڑ گئی۔ دمشق کے حاکم عبدالصمد نے صلح کرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ہارون نے اُسے معزول کر کے مُوسیٰ بن عیسیٰ کو وہاں کا والی مقرر کیا جس نے کئی خونریز معرکوں کے بعد اس فتنے کا خاتمہ کیا۔ شامی فتنے کی خبر سُن کر سندھ میں بھی یمنی اور مضری قبائل کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ خلیفہ نے فتنہ دبانے کے لیے کئی حاکم سندھ بھیجے مگر وہ سب ناکام رہے۔ مُضریوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اُنھوں نے یمنیوں کو مار بھگایا اور سندھ کے اکثر علاقوں پر قابض ہوگئے۔

ہارون نے داؤد بن حاتم مہلبی کو ایک کثیر فوج دے کر سندھ روانہ کیا جس نے کئی معرکوں کے بعد مضریوں کا زور توڑ دیا اور سندھ پر قبضہ کر کے امن و امان بحال کیا۔

177ھ میں موصل کے ایک سردار عطاف نے بغاوت کردی اور اس صُوبے پر قبضہ کرلیا۔ وہ دو سال تک اس پُوری ولایت پر قابض رہا۔ ہارون نے خود لشکر کشی کی اور اُسے شکست دے کر مار بھگایا۔ آیندہ بغاوتوں کی روک تھام کے لیے موصل کی فصیل تڑوا دی گئی۔

خُراسان میں بغاوتیں

خراسان کا عباسی حاکم علی بن عیسیٰ بہت ظالم اور ایک بدخُو انسان تھا۔ عوام نے اُس کی معزولی کی درخواست دربارِ خلافت سے کی مگر ہارون نے اُن کے مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ علی نے عوام پر اور زیادہ سختیاں شروع کردیں۔

خراسانیوں نے تنگ آکر نصر بن سیار کے پوتے رافع بن لیث کی سرکردگی میں بغاوت کردی۔ علی نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو رافع کے خلاف بھیجا، مگر وہ جنگ میں قتل ہُوا۔ ہارون کو جب اِن واقعات کا علم ہُوا تو علی کو معزول کر کے ہرثمہ کو خُراسان کا والی مقرر کیا۔ ہرثمہ نے علی اور اُن کے ساتھیوں کو سزائیں دے کر لوگوں کی دلجوئی کردی جس سے امن و امان بحال ہوگیا، مگر وہ رافع کے خلاف کامیاب نہ ہو سکا۔ لہٰذا ہارون خُود فوج لے کر رافع کے خلاف خراسان روانہ ہُوا لیکن راستے میں طوس کے مقام پر پہنچ کر بیمار ہُوا اور اُس کا انتقال ہوگیا۔ ہارون کے انتقال کے بعد ہرثمہ نے ایک خونریز جنگ میں رافع کو شکست دے کر بغاوت کو کچل دیا۔

فتوحات

ہارون کے عہد میں رومیوں کے خلاف کئی جنگیں ہُوئیں اور اُن کے بیشتر علاقے مسلمانوں کے تسلط میں آگئے۔ رُومی سرحد پر ایک خاص فوج متعین تھی جس کی عیسائیوں کے ساتھ ہر سال معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی۔ ہارون نے اس فوج کی کمان شاہی خاندان کے ایک فرد عبدالملک بن صالح کے حوالے کی۔ عبدالملک اور اُس کے بھائی عبدالرحمان نے پے دَر پے حملے کر کے رُومیوں کے اکثر سرحدی علاقے فتح کر لیے۔ عبدالملک 187ھ میں ایک بغاوت کے جُرم میں گرفتار ہو کر قتل ہُوا اس لیے ہارون کے بیٹے قاسم کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ قاسم نے یلغار کر کے قرہ اور سُنان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ رُومیوں نے مُسلمان قیدیوں کو رہا کر کے صُلح کر لی۔

قسطنطنیہ کی ملکہ ایرینی نے چار سالہ معاہدہ کر کے ہارون سے صُلح کر لی اور خراج دینا منظور کر لیا لیکن رومیوں نے ملکہ کو معزول کر کے نقفور (نائیسی فورس) کو بادشاہ بنایا۔ نئے رومی بادشاہ نے ہارون کو خط لکھا کہ ملکہ ایرینی اپنی نسوانی کمزوری کی وجہ سے تمھیں خراج ادا کرتی تھیں حالانکہ اس کا دو چند آپ کا اُسے ادا کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا جو کچھ آپ نے وصول کیا ہے، واپس کر دو ورنہ تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

اِس خط کو پڑھ کر ہارون بہت غضب ناک ہوگیا اور فوج لے کر ایشائے کوچک کی طرف بڑھتا ہُوا کئی مقامات پر قابض ہوگیا نائیسی فورس نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے صلح کی درخواست کی جو منظور ہوئی لیکن ابھی مسلمان تھوڑے ہی دور آئے تھے کہ نائیسی فورس وعدے سے پھر گیا۔ سخت سردی کے باوجود ہارون واپس پلٹا اور رُومی بادشاہ کو اس کی بد عہدی کا مزا چکھایا۔ مجبور ہو کر نائیسی فورس کو خراج دینا قبول کیا لیکن تھوڑا وقت گزرنے کے بعد خراج دینا پھر بند کر دیا۔ ہارون کو اس مرتبہ بڑا طیش آیا اور اس نے رُومی مملکت پر عام یلغار کر دی۔ ہرقلہ، طوانہ اور قبرص پر قبضہ کر کے وہاں مُسلمان حاکم مقرر کر دیے۔ خشکی کے علاوہ بحری جنگ میں بھی رُومی بحری بیڑے کو شکست دی۔ نائیسی فورس نے ان پے در پے جنگوں سے گھبرا کر پچاس ہزار دینار بطور خراج دے کر صُلح کر لی

جانشینی کا مسئلہ اور وفات

ہارون کے کئی بیٹے تھے اس لیے جانشین مقرر کرنے کا مسئلہ اُس کے لیے بہت پریشانی کا موجب تھا۔ ہارون کا سب سے بڑا بیٹا مامون ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا۔ دُوسرا بیٹا امین ملکہ زبیدہ سے تھا اور تیسرا بیٹا قاسم تھا۔ علم و فضل اور قابلیت کے لحاظ سے مامون کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ ہارون کی خواہش تھی کہ مامون کو اپنا ولی عہد نامزد کرتے، لیکن اپنی چہیتی ملکہ زبیدہ کی خواہش کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے امین کو ولی عہد نامزد کیا۔ لیکن ہارون نے اِس کا ازالہ اس طرح کیا کہ خراسان کی ولایت مستقل طور پر مامون کی

تحویل میں دے دی اور فوج، اسلحہ، خزانہ و دیگر امتیازاتِ شاہی عطا کیے اور اُسے خلیفہ کا درجہ دے دیا۔ اِس طرح سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی اور امین کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہی غلطی آخرکار مامون کی خلافت کا باعث بنی۔

ہارون الرشید جب رافع بن لیث کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے خراسان روانہ ہُوا تو راستہ میں طُوس کے مقام پر اُس کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہُوا۔ وفات کے وقت ہارون کی عمر 47 سال تھی اور مدتِ خلافت 23 سال 3 ماہ تھی۔

ہارون الرشید کا سُنہری زمانہ

ہارون کا دَور مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر عباسیوں کا سُنہری دَور شُمار کیا جاتا ہے:

شخصی عظمت

ہارون کے ذاتی اوصاف، مُلکی وقار، عوامی بہبود، وُسعتِ سلطنت اور عدل و انصاف کی حکمرانی کی وجہ سے اُس کا شمار دُنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اُس دَور کا کوئی حکمران اُس کا ہم پلہ نہ تھا۔ اُس کی ذاتی دلچسپی اور سرپرستی کی بدولت علم و ادب، فنونِ لطیفہ اور سائنسی علوم میں جس قدر ترقیاں ہُوئیں وہ عباسی حکومت کی شان و شوکت کا مظہر ہیں۔

بغداد کی شان و شوکت

بغداد جو بنو عباس کا دارالخلافہ تھا، تمام عباسی حکمرانوں کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ لیکن جب ہارون کا زمانہ آیا تو یہ شہر ہر لحاظ سے اَوجِ کمال تک پہنچا اور اہلِ دُنیا اسے "عروس البلاد" کے نام سے پُکارنے لگے۔

پروفیسر فلپ ہِٹّی نے بغداد کا ذکر کرتے ہُوئے لکھا ہے:

"ہر لحاظ سے یہ شہر دُنیا کا مرکز بن گیا۔ اِس کی شان و شوکت دیکھ کر مسلمانوں کی خوشحالی اور فارغ البالی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے"۔

شہر کی سر بفلک عمارتوں اور عالیشان محلات کو دیکھ کر سیاح دنگ رہ جاتے تھے۔ قصرِ خلافت کی عمارت فنِ تعمیر و صناعی کا ایک بے نظیر نمونہ تھی۔ اُمراء، وزراء اور تاجروں کے مکانات بھی نقاشی اور خوبصورتی کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر خوش نما باغات اور سیر گاہیں دل کو لُبھانے والے مناظر پیش کرتی تھیں۔ عالیشان مساجد اور پُروقار عمارتیں شہر کی شان و شوکت و عظمت کو دوبالا کرتی تھیں۔

رومیوں کے خلاف کامیابیاں

رُومی سلطنت مملکت اسلامیہ کے لیے مستقل خطرہ تھی۔ ہارون الرشید نے رومیوں کے خلاف زبردست مہمات سر کیں اور رومیوں کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ بحیرہ رُوم کے جزائر پر حملے کر کے اُن کی بحری قوت کا بھرم کھول دیا۔ ہارون الرشید نے خود شام اور آرمینیہ کی سرحدوں پر پے در پے حملے کر کے رُومی شہنشاہ نائیسی فورس کو شکست دی اور اُسے خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

ہارون الرشید کا دربار

ہارون کے دربار میں دُنیا بھر کے اہلِ علم فلسفی اور ماہرین فنون جمع تھے جن کی وجہ سے ہارون الرشید کا دربار عباسی شان و شوکت کا آئینہ دار تھا۔ ہارون الرشید کے دَور میں بیرونی ممالک چین اور فرانس کے سفیر دربارِ خلافت میں آئے اور ہارون کے سفیر بیرونی ممالک گئے۔

علمی، اَدبی اور سائنسی ترقی

ہارون علم و فن کا دلدادہ تھا۔ عُلماء، فُضلاء اور اصحاب کمال کا دل و جان سے قدردان تھا اور اُن پر بے بہا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اُس نے ہند، یونان اور دیگر ممالک کے اہلِ علم کو اپنے ہاں جمع کر رکھا تھا۔ اُس کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُس نے یونانی قیدیوں کے تبادلہ میں علوم ہندسہ کی یونانی کتابوں کو ترجیح دی۔ اُس کے دربار میں اُس زمانے کے مُسلم عُلما اور مُحدّثین موجود تھے جن میں سُفیان ثوری، ابو یوسف اور ابو معاویہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِن کے علاوہ اصمعی، شافعی، عبداللہ بن ادریس، عیسیٰ بن یونس، ابنِ سماک اور جبرائیل جیسے مشہور علماء اُس کے دربار کی زینت تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، طِب، ریاضی، منطق اور فلسفہ کے علاوہ موسیقی کو بھی خُوب ترقی دی۔ ابراہیم موصلی کے تعاون سے دربار میں موسیقی کی محفلیں مُنعقد ہوتی تھیں۔ ہارون کی سرپرستی میں موسیقی نے ترقی کا انتہائی بلند مقام حاصل کیا۔

دینی علوم و فقہ کی تدوین

ہارون علمائے و فقہا کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اُس کی رُوحانی قیادت کو تمام لوگ تسلیم کرتے تھے۔ اِس زمانہ میں امام مالکؒ بھی حیات تھے۔ آپ کے ساتھ ہارون کے قریبی مراسم قائم تھے۔ ہارون پہلے خلیفہ تھے جس نے صرف حدیث سُننے کی خاطر مدینہ منورہ کا سفر کیا۔

بَیت الحِکمت کا قیام

ہارون الرشید نے اپنے اتالیق اور اُستاد یحیٰی برمکی کے مشورے سے بَیت الحکمت کی بنیاد رکھی، جس میں دُور و نزدیک کے ممالک سے ہر مذہب و مِلّت کے مشہور علمائے شریک ہوئے جو دیگر زبانوں سے مختلف قسم

کے علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے کرتے تھے۔

خلیفہ نے قیصرِ رُوم سے بہت سی کتابیں منگوائیں۔ مشہور مُترجم مندرجہ ذیل تھے:

ابن بطریق، یوحنا بن ماسویہ، حجاج بن مطر، قسطا بن لوقا اور مانک وغیرہ

اُنھوں نے رُومی، سنسکرت اور یونانی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کیے۔

برامکہ کی خدمات

ہارون کے زمانے میں جس قدر ثقافتی اور علمی ترقیاں ہُوئیں ان میں خاندانِ برامکہ کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ یہ لوگ ایرانی النسل تھے۔ ان کے زیرِ اثر فارسی زبان اور ادب کو فروغ حاصل ہُوا۔ شاہی دربار میں ایرانی ثقافت کا رنگ نظر آتا تھا۔ یہ لوگ شعراء اور ادباء کے بہت قدر دان تھے اور اُن کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ ان لوگوں نے نادر کُتب جمع کیں اور اُن کے ترجمے کرائے۔

تجارت

ہارون کے عہد میں تجارت بہت ترقی پر تھی۔ برّی اور بحری دونوں راستوں سے تجارتی سامان آتا جاتا تھا۔ ہندوستان، چین، افریقہ، شام اور مشرق و مغرب کے دیگر ممالک سے تاجروں کے قافلے خرید و فروخت کے لیے اشیاء لے کر اس اسلامی سلطنت میں آتے اور یہاں کی مصنوعات اپنے ممالک کو لے جاتے تھے۔ دربارِ خلافت کی طرف سے قافلوں کے آرام و قیام اور حفاظت کا مکمل انتظام تھا۔ چوری چکاری اور رہزنی کا نام تک نہ تھا۔ شاہراہوں پر قافلوں کے لیے ہر منزل پر سرائیں بنائی گئی تھیں۔ پانی کے لیے کنوئیں کھُدوائے اور حوض بنائے گئے۔ کاروباری لوگوں کو سہولتیں مُہیا کرنے کے لیے خلیفہ خُود ذاتی دلچسپی لیتا تھا۔ انھی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بغداد اُس زمانے کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

فلاحی و شرعی حکومت کے قیام کی کوششیں

دستورِ حکومت اگرچہ اصولی طور پر شریعتِ اسلامیہ کے مطابق رائج تھا، لیکن جب سے بنواُمیہ کی حکومت عمل میں آئی تھی، امراء اور صوبائی حکام نے شرعی قوانین کی کھُلی نافرمانی کر کے اپنی مَن مانی شروع کر دی تھی۔ عباسی حکومت کے پہلے چار خلفاء کے دَور میں یہی سلسلہ جاری رہا۔ مگر ہارون نے تختِ خلافت پر مُتمکن ہوتے ہی ان خرابیوں کو دُور کر کے صحیح اسلامی شریعت کا نفاذ کیا۔ بدطینت عُمّال کو معزول کر کے اُن کی بجائے دیانتدار اور پرہیزگار حکام کو مقرر کیا۔ خراج کی وصولی میں تمام زیادتیاں ختم کر دیں۔ تمام غیر شرعی ٹیکس منسُوخ کر دیے۔

ہارون الرشید عوام کے معاملات اور اُن کی فلاح و بہبُود کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ وہ عام لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیس بدل کر راتوں کو بغداد کے گلی کُوچوں میں چکر لگاتا۔ اس طرح جو

خرابیاں معاشرہ میں معلوم کرتا انھیں دُور کرنے کے فوری اقدامات کرتا۔ اُس کے خیال میں ایک کامیاب حکمران کے لیے عوام کا تعاون اور تائید کا حصول ضروری اُمر تھا۔ چنانچہ اُس نے تمام عہدیداروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ اختیارات کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ اگر کوئی ظلم یا زیادتی کی شکایت موصول ہوتی تو خلیفہ اُن حُکام کے خلاف مناسب کاروائی کرتا تھا۔

برامکہ

برامکہ کے حالاتِ زندگی

برامکہ کا جدِّ اعلیٰ برمک آتش پرستوں کا ایک مشہور مذہبی پیشوا تھا۔ یہ بلخ کے مشہور آتش کدہ نوبہار کا متولی اور پجاری تھا۔ اُس کا بیٹا خالد مُسلمان ہو گیا اور عباسی خلافت کے قیام میں ایک داعی کی حیثیت سے اُس نے اہم خدمات سرانجام دیں۔

عباسی خاندان کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اپنے پہلے وزیر ابوسلمہ کے قتل پر قلمدانِ وزارت خالد کو سونپ دیا۔ خالد اپنی قابلیت اور تدبّر کے لحاظ سے ایک بلند پایہ انسان تھا۔ سفاح کے بعد منصور نے اُسے وزارت سے ہٹا کر عراق کا والی بنا دیا۔ بعد ازاں اُسے عراق سے تبدیل کر کے موصل کا والی بنایا۔ 163ھ میں اُس نے وفات پائی۔

یحییٰ برمکی

خالد کے اِنتقال کے بعد اُس کا لائق بیٹا یحییٰ اُس کا جانشین بنا۔ منصور نے اُس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اُس کو آذر بائیجان کا والی مقرر کیا۔ وہاں اُس نے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ عوام اُس کے سلوک سے بہت خوش تھے۔

مہدی اُسے آذربائیجان سے واپس بُلا کر اپنے بیٹے ہارون کا اتالیق مقرر کیا۔

کہتے ہیں کہ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے دست برداری پر مجبور کیا اور وہ تنگ آ کر رضامند ہونے ہی والا تھا تو یحییٰ نے اُسے سمجھایا کہ دست بردار ہونے کے باوجود بھی یہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہادی کو بھی یحییٰ نے سمجھایا کہ جعفر ابھی کم سن ہے۔ ہارون نے خلیفہ بنتے ہی اپنے مُحسن اور اتالیق کو تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا، یہاں تک کہ مُہرِ خلافت بھی اُس کے حوالے کر دی۔ تمام اُمورِ سلطنت یحییٰ کی مرضی کے مطابق انجام پانے لگے اور دُور و نزدیک سے اہلِ فن اُس کے دربار میں جمع ہو گئے۔

فضل

یحییٰ کے چار بیٹے تھے، فضل، جعفر، مُوسیٰ اور محمد۔ قابلیت اور حُسنِ سلوک کی وجہ سے یہ چاروں تمام مملکتِ اسلامیہ میں مشہور تھے لیکن فضل و جعفر نے اپنے اوصاف کی وجہ سے بے پناہ عزت و شہرت حاصل کی۔ فضل سب سے بڑا بیٹا تھا جو علم و فضل اور جُود و سخاوت میں سب سے برتر تھا۔ ہارون اور فضل نے ایک دُوسرے کی ماؤں کا دُودھ پیا تھا، اس لیے ہارون اُس کو بھائی کہہ کر پکارتا تھا۔ اپنے عہدِ خلافت میں ہارون نے اُسے شہزادہ امین کا اتالیق مقرر کیا اور بڑے بڑے مناصب پر فائز رکھا۔ وہ خراسان کا والی بھی رہا جہاں اُس نے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا جس کا نام عباسیہ تھا۔ ابتداء میں فضل کو سیر و سیاحت اور شکار کا بہت شوق تھا لیکن یحییٰ کی نصیحت پر تفریحی مشاغل ترک کر کے انتظامی امور میں جانفشانی سے مصروف ہوگیا۔ یحییٰ جب بوڑھا ہوگیا تو قلمدانِ وزارت فضل کے ہاتھوں میں آگیا اور مُہرِ خلافت بھی اُس کی تحویل میں آگئی۔ لوگ اُسے وزیرِ صغیر کہہ کر پکارتے تھے۔

جعفر

یحییٰ کا دوسرا بیٹا جعفر تھا۔ اس نے امام ابو یوسف اور اصمعی جیسے عالموں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ فصاحت و بلاغت اور تحریر و تقریر میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہوکر ہارون نے اُسے مصاحبِ خاص بنالیا۔ رفتہ رفتہ یہ تعلق اِس قدر بڑھ گیا کہ اب جعفر سلطنت کے تمام امور سرانجام دینے لگا اور سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ شام کے مضری اور یمنی قبائل نسلی تعصبات کی بناء پر لڑ پڑے اور سارے ملک میں کُشت و خون شروع ہوگیا تو جعفر نے حکمت عملی سے کام لے کر دونوں قبائل میں صلح کرادی۔ اُسے مصر اور خراسان کی حکومت بھی سپرد کر دی گئی اور ساتھ ہی وزارت کے عہدے پر فائز رہا۔ وزارت کے علاوہ جعفر شہزادہ مامون کا اتالیق بھی تھا۔ برامکہ بڑے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ سے رہتے تھے۔ اُن کے محلات شاہی محلات سے زیادہ خوبصورت اور آراستہ تھے۔

ملک میں بہت سی جاگیریں اور جائیدادیں اُن کی ملکیت تھیں۔ زر و جواہر کی اُن کے پاس فراوانی تھی شعراء، ادباء اور اہلِ فن ہارون کی نسبت اُن کی طرف زیادہ رجوع کرتے تھے۔

برمکی عجمی نژاد تھے، اس لیے اُنھوں نے عربی کی بجائے فارسی کو فروغ دیا۔ تمام بڑے بڑے عہدوں پر عجمی فائز کیے اور ایرانی تہذیب و تمدّن کا اثر زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں نظر آنے لگا۔ طرزِ معاشرت، گفتار و کردار اور لباس میں بھی ایرانی اثر موجود تھا۔ اہلِ ایران کا قومی تہوار نوروز نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا تھا۔

زوال

شخصی حکومت میں افراد کا عروج و زوال فرمانروا کی ذاتی پسندیدگی پر منحصر ہوتا ہے۔ برمکیوں کا حشر بھی بہت عبرت آموز ہوا۔ قابل برمکی وزیروں نے ہارون کی سلطنت کی سترہ سال (786ء تا 803ء) تک نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ محرم 187ھ میں ہارون نے اپنے ہمنشین اور مصاحب خاص جعفر کو قتل کر دیا۔ یحییٰ اور فضل کو معہ اُن کے دیگر بھائیوں اور رشتہ داروں کو قید میں ڈال دیا۔ اُن کی جائیدادیں، محلات، باغات، نقدی و زیورات، غرض ہر چیز ضبط کر لیے۔

برمکیوں کے زوال کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

i۔ برمکیوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام اعلیٰ عہدوں پر ایرانیوں کو فائز کرنا شروع کر دیا اور ایرانی تہذیب و تمدن کے فروغ کے لیے زبردست کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ عربی عنصر جسے ابھی تک دربار اور فوج میں کافی اثر و رسوخ حاصل تھا، نے اسے اپنے لیے خطرہ سمجھا اور خلیفہ ہارون کو صورتِ حال سے باخبر رکھنا شروع کیا۔

ii۔ برمکی وزراء دولت و اقتدار کے نشے سے سرشار ہو کر مغرور و متکبّر ہو گئے تھے۔ وہ خلیفہ تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہ طرزِ عمل اُن کے زوال کا باعث بنا۔

iii۔ خلیفہ کے اختیارات کو اُنھوں نے یہاں تک محدود کیا کہ اُسے معمولی سی باتوں کے لیے بھی اپنے برمکی وزیر سے اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔

iv۔ برمکی سرکاری خزانے کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے تھے۔ اُن کی فراخ دلی اور فیاضی نے شاہی خزانے کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ برامکہ نے بڑی بڑی جاگیروں اور بیش قیمت اِملاک پر قبضہ کر لیا۔ ہارون الرشید کو یہ شاہ خرچیاں بُری لگیں۔

v۔ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں اہلِ بیت ہمیشہ اُس کی مخالفت کرتے رہے، کیونکہ خلافت کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ نے بھی اُن سے سختی کا برتاؤ جاری رکھا۔ اُدھر برامکہ اہلِ بَیت کا احترام کرتے اور اُن پر مہربانیاں کرتے رہتے تھے۔ اس طرح ہارون اور جعفر کی پالیسی میں تضاد پیدا ہو گیا۔ اِنہی دِنوں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے جعفر برمکی سے خلیفہ ہارون بدظن ہو گیا۔ نفسِ ذکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے ویلم کے علاقے میں بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ہارون نے فضل کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ فضل نے سمجھا بُجھا کر یحییٰ بن عبداللہ کو صلح پر رضامند کر کے اُسے بغداد لے آیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یحییٰ بن عبداللہ برامکہ کی امداد سے اہلِ بَیت کی خلافت قائم کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن عبداللہ کو گرفتار کر کے جعفر کے حوالے کر دیا گیا، مگر اس کے

ساتھ عقیدت کی بنا پر جعفر نے اُسے رہا کر دیا۔ جعفر کی اِس جسارت پر ہارون بہت ناراض ہُوا۔ اِن وجوہات کی بنا پر ہارون برمکہ سے سخت بدظن ہو گیا اور اپنے غلام مسرور کے ذریعے جعفر کو قتل کرا دیا اور اس کے باقی تینوں بھائیوں فضل، محمّد اور مُوسیٰ کو قید میں ڈال دیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں اور اُن کے مقرر کیے ہُوئے عمال برطرف کر دیے۔

ہارون کی وفات

رافع بن لیث کی بغاوت کا حال سُن کر ہارون خُود 193ھ میں فوج کشی کے لیے روانہ ہُوا۔ راستے میں طُوس کے مقام پر بیمار ہُوا اور وہیں وفات پائی۔

سوالات

i۔ ہارون کا عہد عباسیوں کا سُنہری زمانہ کہلاتا ہے۔ وضاحت کریں۔

ii۔ خاندانِ برمک کے عروج و زوال کی داستان بیان کریں۔

iii۔ رُومیوں کے ساتھ ہارون کی جنگوں کا حال بیان کریں اور بتائیں کہ ایشیائے کوچک کی فتح کیوں مکمل نہ ہو سکی؟

iv۔ ہارون کے علویوں کے ساتھ تعلقات بیان کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ اُن کی بغاوتیں کُچلنے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

v۔ ہارون الرشید کی وفات کا حال اور سیرت بیان کریں۔

امین اور مامون کے درمیان جنگ

امین اور مامون کے درمیان اختلافات کے اسباب

ہارون الرشید کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اُس نے اپنی زندگی میں ہی سلطنت تقسیم کر کے امین، مامون اور موتمن کے حوالے کر دی تھی۔ عراق اور مغربی علاقے امین کے حوالے کیے۔ ایران، خراسان اور مشرقی علاقے مامون کو دیئے۔ آرمینیہ اور جزیرہ کے علاقے موتمن کے نام کر دیئے اور وصیت چھوڑی کہ پہلے امین، پھر مامون اور آخر میں موتمن خلیفہ ہوگا۔ ہارون نے یہ وصیت لکھوا کر خانہ کعبہ میں محفوظ کرا دی۔

اگرچہ تمام اسلامی سلطنت میں امین کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور سکہ بھی اسی کے نام کا رائج تھا لیکن مامون کو اپنے علاقے میں مکمل خود مختاری حاصل تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں بھائیوں میں اختلافات بڑھتے گئے جن کی بنا پر ان کے درمیان جنگ لڑی گئی۔ خلیفہ امین قتل ہوا۔ ان اختلافات کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ خراسان کی مہم پر ہارون روانہ ہوا، لیکن طوس کے مقام پر بیمار پڑ گیا۔ اپنی موت سے قبل اُس نے یہ وصیت کی تھی کہ یہاں جو فوج، اسلحہ، خزانہ اور مال و اسباب ہے اُسے مامون کے پاس مرو بھیج دیا جائے۔ مگر اُس کے وزیر فضل بن ربیع نے چالاکی سے کام لیتے ہُوئے اور وصیت کو پسِ پُشت ڈالتے ہُوئے ہارون کے انتقال کے بعد خزانہ اور فوج معہ مال و اسباب، و اسلحہ امین کے پاس بغداد بھیج دیا۔ اِس موقع سے امین اور مامون کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے۔

ii۔ امین کا وزیر فضل بن ربیع، منصور کے وزیر ربیع بن حاجب کا بیٹا تھا۔ وہ ایک بہت سازشی اور فتنہ پرداز انسان تھا۔ وہ ہارون کو اُکسا کر برامکہ خاندان کے زوال کا باعث بنا۔ برامکہ کے بعد وہ ہارون کا وزیر بنا اور اُس کی وفات کے بعد امین الرشید کے عہد میں سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ فضل بن ربیع مامون کو ناپسند کرتا تھا کیونکہ مامون ایک با صلاحیت اور مدبر انسان تھا۔ اُس کی موجودگی میں فضل بن ربیع اپنی من مانی نہیں کر سکتا تھا۔ للٰذا وہ مامون کا سخت دُشمن بن گیا تھا۔

iii۔ اِس زمانے میں حکومتِ عباسیہ میں دو قسم کے لوگ عربی اور عجمی چھائے ہُوئے تھے۔ امین چونکہ نجیب الطرفین ہاشمی تھا للٰذا اُسے عربوں کی حمایت حاصل تھی۔ اُدھر مامون کی ماں عجمی تھی اِس لیے ایرانی اور خراسانی اُس کی پُشت پر تھے۔ مامون اپنے علاقوں میں عوام میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ اِس

طرح عربی و عجمی عصبیت اُبھر آئی تھی۔

iv۔ مامون کا وزیر ایک عجمی فضل بن سہل تھا وہ عجمی اور ایرانی اقتدار کو بحال کرنا چاہتا تھا۔ مامون خُود اپنے دارالخلافہ مرو میں تھا جب کہ امین نے حکومت کا انتظام اپنے وزیر فضل بن ربیع کے سپرد کر رکھا تھا۔ فضل بن ربیع بہت عرب پرست تھا۔ امین کا دارالخلافہ بغداد تھا۔ یہ شہر دُنیائے عرب کا مرکز تھا۔ فضل بن ربیع کو فضل بن سہل سے عُہدہ و منصب کی رقابت تھی، لہٰذا وہ امین کو مامون کے خلاف ہر وقت اُکساتا رہتا تھا۔

v۔ امین نے مامون کی بجائے اپنے کمسن بیٹے مُوسیٰ کو ولی عہد بنانے کے لیے مامون اور موتمن کو لکھا کہ وہ ولی عہدی سے دست بردار ہو جائیں اور مُوسیٰ کو ولی عہد تسلیم کر لیں۔ موتمن تو مان گیا لیکن مامون نے سخت مخالفت کی اور کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے باپ کی وصیت کے برعکس ہے، اِس لیے مَیں کسی قیمت پر بھی اِس کو منظور نہیں کر سکتا۔ لیکن امین نے فرمان جاری کر دیا کہ خُطبہ میں مامون کی بجائے مُوسیٰ کا نام لیا جائے۔ جب مامون کو اِس بات کا عِلم ہُوا تو اُس نے شاہی نشان سے امین کا نام خارج کر دیا۔ بغداد سے تمام تعلقات توڑ دیے اور مُوسیٰ کو ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا۔

vi۔ امین نے مامون سے خراسان کے بعض علاقے طلب کیے اور اپنے چند نُمایندے بھی مرو میں رکھنے کا مطالبہ کیا، لیکن مامون نے اِن دونوں مطالبات کو ماننے سے انکار کر دیا اور سرحدوں کی ناکہ بندی کر کے خبر رسانی اور جاسوسی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔

مامون کی تیّاری

مامون اور امین کے باہمی اختلافات سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے بعض علاقوں نے خُود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ترکوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ شاہِ تبت نے بھی خُود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مامون نے دانشمندی سے کام لیتے ہُوئے اپنے مخالفین سے صُلح کر لی۔ ترکوں کا خراج معاف کر دیا اور شاہِ تبت کی تمام شرائط منظور کر کے اُسے اپنا حلیف بنا لیا۔ مامون کی ماں عجمی النسل تھی لہٰذا خراسانی رعایا دل و جان سے اُس کے ساتھ تھے۔ ماں کی نسبت سے تمام ایرانی اُسے اپنا بھانجا تصور کرتے تھے۔

واقعاتِ جنگ

جب امین نے مُوسیٰ کو ولی عہد نامزد کر دیا اور اپنے باپ کی وصیّت کو خانہ کعبہ سے منگوا کر پھاڑ دیا تو مامون نے بغداد کی حکومت سے تعلقات منقطع کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اُس نے جنگی تیاریاں بھی مکمل کر لیں۔ مامون نے فضل

بن سہل کے مشورے سے بغداد اور خراسان کے راستوں پر اپنے جاسوس متعین کر دیئے اور امین کے دربار کے ایک اہم رُکن عباس بن موسیٰ کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ وہ تمام خفیہ خبریں مامون کو فراہم کرتا رہے۔ دونوں بھائیوں کے درمیان کئی معرکے ہُوئے جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

رے اور ہمدان کی فتح

امین نے 811ء میں علی بن عیسیٰ کی قیادت میں مامون کے خلاف پچاس ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ امین کی ماں زبیدہ نے علی کو چاندی کی ایک زنجیر دی کہ اِس میں مامون کو مقید کر کے لائے۔ مامون نے اپنے ایک وفادار غلام طاہر بن حسین کو صرف چار ہزار کی فوج دے کر مقابلے کے لیے بھیجا۔ فریقین میں رے سے چند میل کے فاصلے پر جنگ ہُوئی جس میں مامون کی فوجوں کو فتح حاصل ہوئی۔ آگے بڑھ کر مامون کے جرنیل طاہر نے امین کی بھیجی ہوئی باقی ماندہ فوج کو بھی ہمدان کے مقام پر شکست دی۔

ہمدان کی لڑائی

بغدادی فوج کی شکستِ فاش اور علی کے قتل کا حال سُن کر فضل بن ربیع بہت خوفزدہ ہُوا اور عبدالرحمٰن کی زیرِ قیادت بیس ہزار فوج طاہر کے مقابلے کے لیے بھیجی۔ ہمدان کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہُوا۔ عبدالرحمٰن مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ طاہر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ طویل محاصرے سے تنگ آکر عبدالرحمٰن مقابلے کے لیے باہر نکلا مگر شکست کھائی اور اپنے آپ کو طاہر کے حوالے کر دیا۔ طاہر نے اُسے معاف کر کے امان دے دی۔ جب ہمدان، عراق اور عجم کے پُورے علاقے مامون کے تسلط میں آگئے تو طاہر اہواز کی طرف متوجہ ہُوا۔ امین نے اہواز کی حفاظت کے لیے محمد بن یزید کو مامور کیا۔ طرفین میں خونریز جنگ ہوئی لیکن اِس جنگ میں محمد مارا گیا اور اہواز پر بھی طاہر کا قبضہ ہو گیا۔ اِن فتوحات کے باعث طاہر کا رُعب و دبدبہ اِس قدر بڑھ گیا کہ وہ جس طرف بھی رُخ کرتا امین کے امراء اور حکام بھاگ جاتے۔ حاکمِ واسط نے جب طاہر کی پیش قدمی کا سُنا تو شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور واسط کا شہر مامونی فوجوں کے قبضے میں آگیا۔

مامونی افواج نے کوفہ، بصرہ اور موصل کے شہریوں سے مامون کی بیعت لی اور اس طرح سارا عراق مامون کے زیرِ تسلط آگیا۔

اہلِ حجاز کی بیعت

جب امین نے خانہ کعبہ سے اپنے باپ ہارون کا وصیت نامہ جس میں مامون اور موتمن کی ولی عہدی درج تھی، منگوا کر پھاڑ دیا تو وہاں کے حاکم داؤد بن عیسیٰ نے اہلِ مکہ کو امین کے اِس ظالمانہ سلوک اور عہد شکنی سے آگاہ کیا۔

اور اُس کی بَیعت فسخ کر کے مامون کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ عوام نے اُس سے اتفاق کیا اور امین کی بجائے مامون کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ یمن کے لوگوں نے بھی مامون کی بیعت کرلی۔

بغداد کا محاصرہ

اِن کامیابیوں کے بعد طاہر نے پوری تیاری کر کے بغداد کا محاصرہ کیا۔ امین نے بغداد چھوڑنے کا فیصلہ کیا لیکن محل سے نکل کر جونہی وہ کشتی میں سوار ہُوا عین اُسی وقت اُس پر حملہ کر دیا گیا۔ طاہر کے آدمیوں نے سنگ باری کر کے کشتی کو ڈبو دیا۔ امین جان بچانے میں کامیاب ہوگیا اور قریب ہی ایک عمارت میں پناہ لی۔ مگر طاہر کے آدمیوں نے اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اُس کا سَر کاٹ کر مامون کے پاس بھیج دیا۔ اَب ساری مملکتِ اِسلامیہ میں مامون کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور وہ سربراہِ مملکت بَن گیا۔

سوالات

i ۔ امین اور مامون کے درمیان خانہ جنگی کے اسباب کیا تھے؟ اِن جنگوں کے واقعات بھی بیان کریں۔

ii ۔ مامون کی کامیابی کی وجوہات لکھیئے۔

iii ۔ فضل بن ربیع کی زندگی کے حالات بیان کریں۔ امین اور مامون کے درمیان اختلافات بڑھانے میں اُس نے کیا حِصّہ لیا؟

مامون الرشید

198ھ تا 218ھ بمطابق 813ء تا 833ء

حالاتِ زندگی

امین کے قتل کے بعد مامون 198ھ میں خلیفہ بنا۔ جعفر برمکی اُس کا اتالیق تھا۔ مامون تمام مروّجہ علوم، فقہ، اَدب اور تاریخ میں کافی دسترس رکھتا تھا۔

مامون کا دَور عہدِ عباسیہ کا سُنہری دَور تھا۔ عالمِ اِسلام نے جو شان و شوکت اور تمدّنی برتری اُس کے دَور میں حاصل کی اُس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

مامون کے دَور میں ایرانی تہذیب و تمدّن اور عجمی اثر و رُسوخ پیش پیش نظر آنے لگے، یہاں تک کہ فوج میں بھی عجمی عنصر نمایاں تھا۔ اُس کے عہدِ خلافت کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور 198ھ تا 203ھ تک تھا جس میں دارالخلافہ مرو تھا اور حکومت کی باگ ڈور فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی۔ وہی تمام امورِ سلطنت کا مالک تھا جب کہ خلیفہ اپنے محل میں علماء اور فضلاء کے ساتھ علمی مباحثوں میں شریک رہتا۔

دُوسرا دَور 203ھ تا 218ھ تک تھا۔ اس میں خلیفہ کو امام علی رضا کے ذریعے ملکی حالات کے بارے میں تمام حقائق کا علم ہُوا، چنانچہ وہ مرو چھوڑ کر بغداد آگیا اور فضل بن سہل کا خاتمہ کر کے تمام امورِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

مامون کا قیامِ مرو

مامون کی خلافت کا قیام فضل بن سہل کے تدبّر اور دانشمندی کی وجہ سے ممکن ہُوا۔ تمام امورِ سلطنت فضل بن سہل سرانجام دیتا تھا۔ فضل چاہتا تھا کہ مامون مرو کو ہی دارالخلافہ رکھے تاکہ اُس کا اقتدار قائم رہے، لیکن بغداد کو تمام عالمِ اِسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا سیاسی لحاظ سے مرو کو دارالخلافہ رکھنا مناسب نہ تھا۔ خلیفہ کے مرو کے قیام کے دوران مندرجہ ذیل بغاوتیں ہُوئیں:

طاہر کے خلاف فوج کی بغاوت

بغداد کی فتح کے بعد افواج نے طاہر سے اُس انعام و اکرام کا مطالبہ کیا جس کا اُس نے وعدہ کر رکھا تھا، لیکن چونکہ طاہر کے پاس رقم نہ تھی اِس لیے وہ اُنھیں ٹالتا رہا۔ فوج نے تنگ آ کر اُس کے خلاف بغاوت کر دی۔ طاہر کے ساتھ چند وفادار ساتھی رہ گئے اِس لیے وہ بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد باغی افواج نے طاہر سے معافی مانگ لی۔ اِس طرح یہ بغاوت خُود بخود ختم ہو گئی۔

نصر بن شیث کی بغاوت

مامون کی کامیابی عجمیوں کی حمایت سے حاصل ہوئی تھی۔ امین نجیب الطرفین ہاشمی تھا۔ اُس کے قتل سے عربوں کو بہت دُکھ ہُوا اور اس طرح عربی اور عجمی حقوق و فضیلت کا سوال پیدا ہوگیا۔ چنانچہ حلب کے ایک سردار نصر بن شیث نے عربوں کو ساتھ ملا لیا اور بغاوت کر دی۔ وہ آس پاس کے بہت سے علاقے پر قابض ہوگیا۔ فضل بن سہل کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا جسے بہانہ بنا کر طاہر اور ہرثمہ جیسے جرنیلوں کو بغداد سے دُور روانہ کر دے۔ چنانچہ اُس نے مامون سے طاہر کے نام فرمان جاری کروا دیا کہ وہ نصر بن شیث کی بغاوت فرو کرے۔ لیکن اُس نے اِس بغاوت کو فرو کرنے میں سرد مہری کا ثبوت دیا۔ اِس سے نصر کے عزائم بہت بلند ہو گئے اور وہ گیارہ سال تک باغی رہا۔ آخر عبداللہ بن طاہر نے اُسے شکست دی۔ پانچ سال تک جنگ لڑنے کے بعد نصر نے صلح کی۔ 210ھ میں خلیفہ مامون سے جب وہ ملنے آیا تو اُسے نظر بند کر دیا گیا۔

محمد بن ابراہیم علوی کی بغاوت

ایک علوی بزرگ محمد بن ابراہیم جو طباطبا کے لقب سے مشہور تھا، نے 199ھ میں کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ہرثمہ کی فوج کا ایک سالار ابوالسرایا بھی اُس کے ساتھ مل گیا اور اُس نے کوفہ کے عباسی حاکم کو شکست دی۔ بغداد سے زبیر بن مسیب کو دس ہزار کے لشکر کے ساتھ کوفہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا، لیکن ابوالسرایا نے اُسے بھی شکست دی اور اُس کا ساز و سامان لُوٹ لیا۔

ابوالسرایا نے محسوس کیا کہ طباطبا کی موجودگی میں اُس کی حیثیت فقط ایک غلام سے زیادہ نہیں اور وہ اقتدار کبھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اُس نے طباطبا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا، اُس کے کمسن بیٹے محمد کو امام بنا کر خُود سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ اُس نے عراق کے بیشتر حصّوں پر قبضہ کر لیا اور عباسی عمال کو وہاں سے نکال دیا۔ بغداد سے اُس کی سرکوبی کے لیے آنے والی فوج کو ایک بار پھر اُس نے شکست دی۔

حسن بن سہل حاکم بغداد نے ہرثمہ کو اس مہم پر روانہ کیا۔ اگرچہ ہرثمہ فضل اور حسن دونوں بھائیوں سے خفا تھا، مگر مامونی خلافت کو خطرے میں دیکھ کر ابوالسرایا کی سرکوبی کے لیے کوفہ روانہ ہُوا۔ ابوالسرایا کو ہرثمہ نے شکست دی۔ ہرثمہ نے اہلِ عراق کو امان دے کر دوبارہ مامون کی بیعت لی اور پُورے عراق میں امن و امان بحال کر دیا۔ ابوالسرایا نے راہِ فرار اختیار کی لیکن جلولا کے مقام پر گرفتار کر لیا گیا۔ حسن بن سہل نے اُس کا سَر تن سے جُدا کر کے مامون کے پاس بھیجا۔

مکہ پر علوی تسلط

ابوالسرایا نے اپنے دَورِ اقتدار میں زید بن امام موسیٰ کاظم کو بصرہ اور حسین کو مکہ میں عامل مقرر کیا۔ زید نے اہلِ بصرہ پر بے پناہ مظالم توڑے۔

ہزارہا بے گناہوں کو زندہ جلا دیا۔ اِس وجہ سے اُس کا نام زید النّار مشہور ہُوا۔ کُوفہ کی فتح کے بعد حاکمِ بغداد حسن بن سہل نے ایک فوجی سردار کو اُن کی سرکوبی کے لیے بھیجا، جس نے اُنھیں گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا۔ لیکن حسن نے اُنھیں معاف کر دیا۔

ابوالسرایا کا دُوسرا حاکم حسین جب مکّہ پہنچا تو عباسی حاکم داؤد نے حرم کے احترام کی خاطر لڑائی سے گریز کیا اور مکّہ چھوڑ کر چلا گیا۔ حسین نے مکّہ معظّمہ کے مقدّس شہر میں ہر طرح کی مذموم حرکات کرنی شروع کر دیں۔ لوگوں کی جان و مال اور عزّت و آبرو محفوظ نہ رہی۔ ابوالسرایا کی موت پر حسین اور اُس کے ساتھیوں نے امام محمد بن جعفر کی بیعت کر کے اُنھیں امیرالمومنین کا خطاب دیا۔ مگر اُس کی خلافت برائے نام تھی اور اقتدار حسین کے ہاتھ میں تھا۔

مکّہ کے عوام نے حرم کی بے حُرمتی کے خلاف مدد کے لیے اسحاق بن مُوسیٰ حاکمِ یمن سے درخواست کی۔ اسحٰق مکّہ پر حملہ آور ہُوا اور علویوں نے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسحاق کو شکست ہونے والی تھی کہ ہرثمہ کی طرف سے ایک جرنیل کے ماتحت فوج آ پہنچی۔ دونوں فوجوں نے مِل کر علویوں کو شکست دی اور مکّہ پر قبضہ کر لیا۔ امام محمد بن جعفر نے خلافت سے دستبردار ہو کر جان کی امان طلب کی جو منظور ہُوئی، لیکن تین دن کے اندر اُنھیں حجاز سے نکلنے کا حکم دیا گیا۔

یمن کی علوی بغاوت

یمن کا عباسی حاکم اسحاق بن مُوسیٰ جب علوی مظالم سے نجات دلانے کے لیے مکّہ پر حملہ آور ہُوا تو یمن میں اُس کی غیر موجودگی میں ابراہیم بن امام مُوسیٰ کاظم نے اپنا تسلّط قائم کر لیا اور اتنے زیادہ لوگوں کو قتل کیا کہ اُس کا لقب قصّاب پڑ گیا۔ ابراہیم نے یمن سے 200ھ میں ایک سردار عقیلی کو امیرالحج مقرر کر کے مکّہ بھیجا۔ مامون نے اس سال معتصم کو امیرالحج مقرر کیا تھا۔ جب عقیلی کو پتہ چلا تو اُسے مکّہ جانے کی جُرأت نہ ہُوئی۔ مگر عقیلی اور اُس کے ساتھیوں نے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کر کے اُن کا ساز و سامان لُوٹ لیا۔ مُعتصم نے ایک سردار کو اُن کی سرکوبی کے لیے بھیجا جس نے عقیلی اور اُس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور اُنھیں مکّہ لایا گیا۔ مُعتصم نے اُنھیں کوڑوں سے پٹوایا۔ اِس طرح یہ فتنہ ختم ہو گیا۔

ہرثمہ کا قتل

مامون اِن تمام بغاوتوں سے بے خبر تھا۔ وہ مرو میں علمی و ادبی مشاغل میں مصروف تھا اور فضل بن سہل نے کسی طرح بھی ان واقعات کی خبر خلیفہ تک نہ پہنچنے دی اور یہی بتاتا رہا کہ ملک میں امن و امان ہے اور عوام آرام و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہرثمہ کو جب معلوم ہُوا کہ مامون کو ان بغاوتوں اور شورشوں سے بے خبر رکھا جا رہا ہے تو اُس نے پُختہ ارادہ کر لیا کہ وہ خلیفہ کو اِن حالات سے آگاہ کرے گا۔ جب یمن و حجاز میں علوی فِتنے فرو ہو گئے

تو اُس نے دربارِ خلافت حاضر ہونے کا فیصلہ کیا۔ فضل بن سہل کو جب اُس کے ارادے کا پتہ چلا تو اُسے حجاز اور شام کی امارت کا فرمان بھجوا دیا اور حکم دیا کہ وہ مرو آنے کی بجائے حجاز چلا جائے۔

چونکہ ہرثمہ خلیفہ سے ملاقات کر کے اُسے تمام حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا، اس لیے وہ فضل کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرو کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو طبل اور نقارے بجانے شروع کر دیئے تاکہ مامون کو اُس کے آنے کی خبر ہو جائے۔

فضل کو معلوم تھا کہ اگر ہرثمہ نے مامون کو اصل حالات بتا دیئے تو یہ اُس کے حق میں ٹھیک نہیں ہو گا لہٰذا فضل نے مامون کو اُکسانا شروع کر دیا کہ ہرثمہ علویوں کا آدمی ہے۔ یمن اور حجاز کی بغاوتوں میں اُس کا ہاتھ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خلیفہ کے حکم کے باوجود حجاز جانے کی بجائے وہ مرو کی طرف آ رہا ہے۔ جب ہرثمہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا اور حالات بیان کیے تو خلیفہ نے اُس کی باتوں پر یقین نہ کرتے ہوئے اُسے قید میں ڈال دیا۔ فضل نے قید خانے میں ہی اُسے قتل کرا کے مشہور کر دیا کہ وہ مر گیا ہے۔

بغداد میں بغاوت

ہرثمہ جیسے مشہور جرنیل کے قتل کی خبر جب بغداد پہنچی تو فوج نے بغداد کے حاکم حسن بن سہل کے خلاف بغاوت کر کے اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو نکال دیا۔ لوگ فضل کے بھائی حسن سے ہر حالت میں نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ شہر میں افراتفری پھیل گئی۔ غنڈوں اور اُوباشوں نے دن دہاڑے ڈاکہ زنی اور رہزنی کی وارداتیں شروع کر دیں۔ کوئی طاقت مفسدوں کو دبانے کے لیے موجود نہ تھی۔ باغیوں کا سردار محمد بن ابی خالد تھا۔ اُس نے واسط کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ آخر فضل بن سہل ایک لشکر لے کر محمد بن ابی خالد سے مقابلے کے لیے بڑھا اور باغیوں کو شکست دی۔ محمد بن ابی خالد زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور بغداد لائے جانے کے بعد مر گیا۔

امام علی رضا کی ولی عہدی

مامون شروع ہی سے اہلِ بیت کے ساتھ حُسنِ سلوک کی پالیسی پر کاربند تھا۔ مامون نے امام علی رضا کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے اُسے ولی عہد نامزد کر دیا اور تمام مملکت میں احکام بھجوائے کہ عوام اور فوج سے امام علی رضا کی بیعت لی جائے اور آیندہ سیاہ عباسی رنگ کی بجائے سبز فاطمی رنگ فوج اور دربار میں اختیار کیا جائے۔

مامون کے اِس اعلان پر عباسی بہت بددِل ہوئے اور اِس فرمان کو فضل بن سہل کی شرارت قرار دیا۔ عباسیوں کا خیال تھا کہ فضل اس طریق سے خلافت آلِ عباسؓ سے آلِ علیؓ میں منتقل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے محرم 202ھ میں مامون کی بیعت فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کو المبارک کا خطاب دے کر خلیفہ بنا دیا۔ حسن بن سہل حاکمِ بغداد، مدائن کی طرف بھاگ گیا۔ ابراہیم نے کوفہ اور سواد پر قابض ہونے کے

بعد اپنی فوج کو مدائن کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔

انکشافِ حقیقت اور مامون کی بغداد روانگی

ابراہیم کو اہلِ بغداد نے اپنا خلیفہ بنا لیا، لیکن اس عظیم واقعہ کو بھی اُس کے وزیر فضل بن سہل نے مامون سے پوشیدہ رکھا۔ امام علی رضا کو ان تمام واقعات کا علم تھا چنانچہ انھوں نے مامون کو بتا دیا کہ بغداد میں ابراہیم کی خلافت قائم ہے اور اُس نے تمام مامونی عُمال کو نکال دیا ہے۔ اُسے اس بات سے بھی آگاہ کیا گیا کہ جب سے امین قتل ہوا ہے، سلطنت میں ایک دن بھی امن نہیں رہا۔ اُنھوں نے یہ بھی بتا دیا کہ ہرثمہ نے تمام حالات بتانے کے لیے خلیفہ سے ملاقات کرنی تھی، لیکن فضل نے جھوٹے الزامات عائد کر کے اُسے قید کرا دیا اور بعد میں قید میں قتل کروا دیا۔ طاہر بن حسین کو بھی اُس نے بغداد سے نکال کر دُور دراز رقہ میں متعین کر دیا۔ اگر یہ دونوں جرنیل بغداد میں موجود ہوتے تو ابراہیم کبھی خلیفہ نہ بن سکتا۔ مامون نے فوجی افسروں سے امام علی رضا کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرائی۔ اب تمام خیر خواہوں نے مامون کو مشورہ دیا کہ وہ خُود فوراً بغداد جائیں ورنہ بغاوت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

مامون کا بغداد میں داخلہ

مامون مرو سے بغداد روانہ ہوا لیکن تمام حالات کا پتہ چلنے کے باوجود وہ فضل بن سہل کو عُہدۂ وزارت سے علیحدہ نہ کر سکا۔ مرو سے چند میل کے فاصلے پر مقام سرخس میں فضل حمام میں غسل کر رہا تھا کہ خلیفہ کے چند غلاموں نے اُسے قتل کر دیا۔ مامون نے اپنے آپ کو اس قتل سے بری الذمّہ ثابت کرنے کے لیے قاتلوں کو گرفتار کر کے سُولی پر لٹکا دیا۔ فضل کے بھائی حسن کو وزارتِ عظمٰی کے عہدے پر فائز کیا اور اُس کی بیٹی بوران سے شادی بھی کر لی، لیکن حسن اپنے بھائی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور ایک سال بعد مر گیا۔

مامون کی مرو سے روانگی اور فضل کے قتل کی خبر سُن کر بغداد کے امراء اور فوجی سرداروں نے ابراہیم کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔

طوس پہنچ کر مامون نے اپنے باپ ہارون کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور چند دن وہاں قیام کیا۔ اسی مقام پر ایک روز ولی عہد امام علی رضا کا اچانک انتقال ہو گیا۔ امام صاحب کے انتقال کی خبر سُن کر لوگوں نے ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا، کیونکہ جن اسباب کی بنا پر لوگوں نے مامون کی بَیعت فسخ کی تھی وہ سب رفع ہو چکے تھے۔ حسن بن سہل بغیر کسی جنگ کے بغداد پر قابض ہو گیا۔ ابراہیم اپنے آپ کو بے یار و مددگار پا کر کہیں رُوپوش ہو گیا۔

طُوس میں چند روز قیام کرنے کے بعد مامون نہروان پہنچا۔ بغداد کے تمام امراء اور فوجی سردار اُس کے استقبال کے لیے وہاں آئے۔ یہاں پر طاہر بن حسین نے بھی مامون سے ملاقات کی۔ سابقہ خدمات کی قدر کرتے ہُوئے خلیفہ نے جزیرہ کی امارت اور بغداد کی کوتوالی کے علاوہ اُسے ایک بیش قیمت خلعت عطا کیا۔ مامون فاتحانہ انداز میں پانچ صفر 204ھ کو بغداد میں داخل ہُوا۔ اُن کی آمد پر عوام نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ سڑکوں اور عمارتوں کو سجایا گیا۔ گزشتہ شورشوں میں لوگوں کا جو نقصان ہُوا تھا، خلیفہ نے اُس کی تلافی کر دی۔ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے کے بعد اُس نے اپنا آبائی سیاہ رنگ ترک کر کے سبز علوی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اہلِ بغداد اِس تبدیلی سے خُوش نہ تھے۔ لہٰذا اُنھیں خُوش کرنے کے لیے دوبارہ عباسی رنگ اختیار کیا گیا۔ خلیفہ نے تمام امور کی نگرانی خُود کرنی شروع کر دی۔ ملک میں امن و امان بحال ہو گیا۔ شورشوں اور بغاوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال ہو گئی۔ تہذیب و تمدن کو فروغ حاصل ہوا اور علمی ترقیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔

دولت زیادیہ کا قیام

یمن بہت عرصہ سے علویوں کی بغاوتوں کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ مامون نے یمن کی حکومت کسی مضبوط شخص کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے وزیر حسن کے مشورے پر زیاد ابوسفیان کے پڑپوتے محمد بن ابراہیم زیادی کو یمن کا والی مقرر کیا۔ محمد بن ابراہیم نے یمن میں امن و امان قائم کر کے اپنی نیم مختار ریاست کی بنیاد رکھی۔ یمن میں خلیفہ کا اقتدار برائے نام رہ گیا۔ اس طرح یمن میں زیادیہ حکومت کی بنیاد پڑی اور یہ لوگ پشت ہا پُشت وہاں پر حکومت کرتے رہے۔

دولتِ طاہریہ کا قیام

طاہر بن حسین مامون کا غلام تھا۔ اپنی خُداداد ذہانت اور شجاعت کے باعث ترقی کر کے سپہ سالاری کے عُہدے پر پہنچا۔ مامون نے اُسے امین کے مقابلے پر مامور کیا۔ طاہر نے امین کی فوجوں کو کئی مقامات پر شکستیں دیں اور آخر میں امین کو قتل کر کے اہلِ بغداد سے مامون کی خلافت کی بیعت لے لی۔

وزیرِ اعظم فضل بن سہل نے اُسے رقہ جیسے دُور دراز علاقے کا حاکم بنایا، کیونکہ طاہر کے بغداد میں قیام کو وہ اپنے مفاد کے منافی سمجھتا تھا۔ بغداد میں اُس نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو امارت پر فائز کیا۔ مامون نے بغداد آنے پر طاہر کو رقہ سے بُلا کر بغداد کی کوتوالی اور جزیرہ کی امارت سپُرد کی۔

مامون نے طاہر کی بہت قدر و منزلت کی، مگر طاہر پر جب بھی اُس کی نظر پڑتی تو اپنے بھائی امین

کی یاد میں اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے اور اُس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ طاہر کو خلیفہ کی اندرُونی کیفیات کا عِلم ہو گیا اور خوف محسوس کرنے لگا۔ اُس نے اِس خوف کا ذکر مامون کے وزیر احمد بن ابی خالد سے کیا اور اُس سے درخواست کی کہ اُسے بغداد سے دُور کسی اور صُوبہ کی امارت دلوائی جائے چنانچہ احمد بن ابی خالد کی ذاتی سفارش پر اُسے خراسان کی امارت عطا ہُوئی۔ طاہر نے اپنی تقرری کے دو سال بعد مرکز سے بغاوت کر دی اور جمعہ کے خُطبہ سے مامون کا نام خارج کر دیا۔ یہ خبر جب مامون تک پہنچی تو اُس نے احمد بن ابی خالد کو باز پُرس کے لیے بُلایا کیونکہ اُس کی ضمانت پر طاہر کو خراسان کی حکومت عطا کی گئی تھی۔ مامون نے احمد بن ابی خالد کو حکم دیا کہ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو طاہر کو فوراً حاضر کرو، لیکن دوسرے ہی روز طاہر کے انتقال کی خبر آ گئی اور احمد خلیفہ کے عتاب سے بچ گیا۔ طاہر کی وفات کے بعد اُس کی اولاد مسلسل کئی سال تک خراسان کی حکمران رہی تا آنکہ یعقوب بن لیث صفاری نے اُن کا خاتمہ کر کے صفاریہ خاندان کی بُنیاد ڈالی۔

رُومیوں کے ساتھ معرکے اور فتوحات

ہارون الرّشید نے رُومیوں کو شکستیں دے کر بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اُن پر ایسا خوف و ہراس طاری کیا تھا کہ وہ سر اٹھانے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ لیکن مامون کے عہد میں مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگیوں سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے اسلامی سرحدات پر پھر سے حملے شروع کر دیئے۔ محرم 215ھ میں اسحاق بن ابراہیم کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے مامون رُومیوں پر حملہ آور ہوا اور اُن کے مشہور قلعہ قرہ کو فتح کر کے مسمار کر دیا۔ رُومی قیصر تھیوفیلس نے پے در پے شکستیں کھائیں۔ مامون ایک فاتح کے طور پر دمشق واپس لوٹا۔ ایک سال بعد رُومیوں نے طرسوس اور مصیصہ پر حملہ کر کے بے شمار مسلمانوں کو قتل کر دیا، اس لیے رُومی علاقوں پر فوج کشی کی گئی۔ مامون نے الظیفر پر قبضہ کر کے معتصم کو مزید پیش قدمی کے لیے روانہ کیا۔ اُس نے اہل روما کے بیسیوں قلعے فتح کیے۔

مامون کے عہد کی علمی و اَدبی سرگرمیاں

مامون الرشید کے عہدِ حکومت میں علوم و فنون، ادبیات، سائنس، فنونِ لطیفہ اور تہذیب و تمدّن نے بہت ترقی کی۔ سلطنت کی حدُود سرحدِ تاتار سے بحیرۂ اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مختلف شعبوں میں ترقی کا حال ذیل میں درج ہے:

دارالترجمہ

مامون کا زیادہ تر وقت فتنوں کی سرکوبی اور فتوحات میں صرف ہُوا لیکن اِن

مصروفیات کے باوجود اُسے علم وادب کی سرپرستی حاصل رہی ۔ زندگی کے آخری حصہ میں مامون فلسفہ کی طرف زیادہ مائل ہوگیا تھا۔ غیر ملکی کُتب اور خزائن علوم سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے ہارون الرشید نے بیت الحکمت قائم کیا تھا۔ مامون نے اس بیت الحکمت کو مزید ترقی دی۔ اس بیت الحکمت میں مسلمان، پارسی، عیسائی، یہودی اور ہندو مترجمین موجود تھے جن کا کام فلسفہ اور حکمت کے علوم کے متعلق تصانیف، تالیف اور ترجمہ کرنا تھا۔ فلسفہ اور منطق سے مامون کو خاص لگاؤ تھا، اس لیے اُس نے قیصر رُوم سے خوشگوار تعلقات قائم کیے اور بیش بہا تحائف بھیج کر اُن کے بدلہ میں یونان کی علمی کُتب طلب کیں ۔

سائنسی علوم کی ترقی

i ۔ رصدگاہ کا قیام

مامون کے عہد میں علم ہیئت نے حیرت انگیز ترقی کی۔ خلیفہ نے اسد بن علی، خالد بن عبدالملک اور یحیٰی بن ابی منصور جیسے ماہرینِ ہیئت کو بُلا کر بطلیموس کے بتائے ہُوئے طریقے پر شماسیہ میں دُنیائے اسلام کی پہلی رصدگاہ قائم کی جس کے ذریعے سُورج، چاند، سیاروں اور دیگر کواکب کے حالات معلوم ہوئے۔ یحیٰی بن منصور اس رصدگاہ کا مُہتمِم اعلیٰ تھا۔

ii ۔ کُرۂ ارض کی پیمائش

رصدگاہ اور اس میں آلات کی مدد سے مشہور ریاضی دان محمّد بن مُوسیٰ الخوارزمی نے کُرۂ زمین کی پیمائش کی۔ زمین کے طول بلد اور عرض بلد کو معلوم کرنے کے بعد حساب لگایا کہ کُرۂ زمین کا محیط 24 ہزار میل ہے۔ اس تحقیق کی تصدیق کے لیے صحرائے کوفہ میں تجربہ کرایا۔ اس سے بھی پہلی تحقیق کی تصدیق ثابت ہوئی۔

iii ۔ دُوربین کی ایجاد

اِن سائنسی تجربات کے علاوہ ابوالحسن نامی ایک سائنسدان نے دُوربین ایجاد کی۔ یہ اُس زمانہ کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا۔

فلسفہ و حکمت

مامون کو فلسفیانہ مباحثوں سے خاص لگاؤ تھا۔ منگل کا دن فلسفیانہ مباحثوں کے لیے وقف ہوتا تھا۔ اِن مجالس میں مختلف مذاہب اور قوموں کے لوگ شامل ہوتے۔ خلیفہ ہر مجلس میں موجود رہتا اور ہر قسم کے دلائل بڑے ضبط و تحمل سے سُنتا۔

شعر و ادب مامون کی ماں ایرانی تھی اس لیے اُس کی مادری زبان فارسی تھی، اُس کے عہد میں فارسی زبان و ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ فارسی زبان کا سب سے پہلا قصیدہ مامون کے دربار میں پڑھا گیا۔ شعراء منہ مانگے انعام حاصل کرتے۔ مامون کا بیٹا عباس جو مرو کا رہنے والا تھا، فارسی شعر و ادب کی ترقی کے لیے کوشاں رہتا۔

دینی علوم مامون نے دینی علوم کے فروغ کے لیے بہت کم کوششیں کیں، لیکن اُس کا دَور تدوینِ حدیث، ترتیبِ فقہ اور تالیفِ تاریخ اسلام کے لحاظ سے سنہری زمانہ تھا۔ اس دَور میں عُلمائے اِسلام نے اِسلامی علوم کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ امام بخاریؒ، ابن سعدؒ، قاضی یحییٰؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے مشاہیر اسلام اِسی دور میں گزرے ہیں۔ اِن نامور علمائے اِسلام نے اسلامی علوم کی اشاعت، تشریح اور وضاحت کر کے مذہب اسلام کی عظیم خدمت کی۔

موسیقی علمی محفلوں کے علاوہ مامون طربیہ مجالس بھی منعقد کرتا رہتا تھا۔ اِن محفلوں میں بڑے بڑے موسیقار اور گویے شمولیت کرتے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ اسحٰق موصلی اُس کے دربار کا مشہور موسیقار تھا۔

فِرقہ معتزلہ

بنی اُمیہ کے آخری زمانہ میں متکلمین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہُوا جس نے مروجہ روش سے ہٹ کر دینی عقائد کو فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا اور چند ایسے عقائد وضع کیے جو دین کے مُسلّم عقائد کے منافی تھے۔ اس عقل پرست گروہ کو فرقہ معتزلہ کے نام سے پُکارا جاتا تھا۔ معتزلین نے اپنے آپ کو "اہل العدل والتوحید" کا نام دیا تھا۔

اِس فرقہ کی اِبتداء یُوں ہوئی کہ مشہور عالمِ دین خواجہ حسن بصریؒ جامع بصرہ میں اپنے شاگردوں کے سامنے اِس مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ آیا کوئی مسلمان کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے کے بعد مسلمان کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ ایک عجمی شاگرد واصل بن عطا نے ان کے ساتھ اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف کیا اور اپنے ہم خیال طالب علموں کو ساتھ لے کر مسجد کے دوسرے کونے میں جا بیٹھا۔ اِس علیحدگی پر خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا، "اعتزل اعنا" یعنی وہ ہم سے الگ ہو گیا۔ اِس فقرے کی مناسبت سے مخالف عناصر نے اس فرقے کو معتزلہ کے نام سے پُکارنا شروع کر دیا۔

i۔ معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن پاک کا مفہوم رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا لیکن اسے

الفاظ کا جامہ اُنھوں نے خُود پہنایا ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور ہر مخلوق حادث (فنا ہونے والی) ہوتی ہے، اس لیے قرآن پاک بھی حادث ہے۔ اُن کا خیال یہ بھی تھا کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین ماحول کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس عقیدہ سے دین کے احکام کو شدید خطرہ تھا کیونکہ حکمران اس فرقے کی سرپرستی کر رہے تھے اِس وجہ سے علمائے حق نے اس کی شدّید مخالفت کی۔

ii۔ معتزلہ کہتے تھے کہ خُدا کا وجود اُس کی صفات سے الگ نہیں اور خدا کا اِس طرح کوئی وجود نہیں ہے جس کو مادّی آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔

iii۔ معتزلہ قیامت کے دن مُردوں کے جی اُٹھنے کے بھی قائل نہ تھے۔ اُن کے نزدیک قیامت کا مفہوم مادّی اجسام سے نہیں بلکہ رُوحانی احساسات سے متعلق تھا۔ خداوند تعالیٰ کا ادراک بھی رُوحانی آنکھوں سے ممکن تھا، اور جزا اور سزا بھی رُوحانی احساسات ہی کی شکل میں ممکن ہے۔

iv۔ معتزلہ تقدیر کے قائل نہ تھے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان اپنے افعال میں خُود مختار ہے اِس وجہ سے اُسے نیک کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔

مامون خلیفہ بنا تو اُس نے ان عقائد کو تسلیم کر کے انھیں جبراً تسلیم کرانے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں سختیاں روا رکھیں۔

سوالات

i۔ مامون کے قیامِ مرو کے دوران جو بغاوتیں ہوئیں ان کا حال بیان کریں۔

ii۔ فضل بن سہل کی زندگی کے حالات بیان کریں۔

iii۔ مامون کے عہد کے علمی، ادبی اور سائنسی ترقی کا حال لکھیں۔

iv۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں:

(ا) طاہر بن حسین

(ب) ہرثمہ

(ج) حسن بن سہل

v۔ معتزلہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اِس کے بڑے بڑے اصول بیان کریں۔

باب سوم

مُعتصم باللہ

تعارف مامون نے اپنے بیٹے عباس کی بجائے اپنے بھائی محمد بن ہارون الملقب بہ مُعتصم باللہ کو ولی عہد نامزد کیا۔ اُس کا بیٹا ایک نامور جرنیل ہونے کے باعث فوج میں مقبول تھا، اس لیے اہلِ لشکر مُعتصم کی نامزدگی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے مگر عباس نے اُنھیں سمجھا بُجھا کر کسی غلط اقدام سے روکا اور باپ کی وصیت کے مطابق معتصم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

اپنے پیشرو خلفاء کے برعکس معتصم علم و اَدب سے بیگانہ تھا، البتہ شجاعت اور دلیری میں ممتاز تھا۔ اُس نے سرزمینِ رُوم پر کئی بار خُود لشکر کشی کی۔ اُس کی جوانمردی اور بہادری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بعض مؤرخین نے اُسے "سپاہی خلیفہ" کا خطاب دیا ہے۔

معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھایا۔ وقتی طور پر تو یہ اقدام مُفید ثابت ہُوا، مگر رفتہ رفتہ ترکوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ عباسی خلفاء کے لیے اُن پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور خلیفہ متوکل اُن کا زور توڑتے توڑتے خُود قتل ہُوا۔

علوی بغاوتیں مُعتصم کے عہدِ حکومت کے ابتداء میں زیدیوں کے امام محمد بن قاسم نے خراسان میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔ خراسانیوں کی ایک کثیر تعداد نے اُس کا ساتھ دیا۔ امیرِ خراسان عبداللہ بن طاہر نے اُنھیں شکست دے کر مُنتشر کر دیا۔ محمّد بن قاسم کہیں رُوپوش ہو گئے مگر چند ہی روز بعد گرفتار ہُوئے اور معتصم کے سامنے پیش کیے گئے۔ مُعتصم نے اُنھیں سامرا کے قید خانے میں ڈال دیا۔ تھوڑے عرصے بعد اپنے چند خیر خواہوں کی مدد سے وہ قید خانے سے فرار ہو گئے اور بعد میں اُن کا کوئی بھی سُراغ نہیں ملا۔ زیدیہ کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ وُہ امام مہدی ہیں اور قیامت سے پہلے دوبارہ ظاہر ہوں گے۔

زط قوم کی بغاوت زط قوم نے بغاوت کا آغاز مامون کے عہدِ حکومت میں کیا تھا۔ یہ لوگ خلیج فارس کے کنارے آباد تھے۔ معتصم کے عہد میں

انھوں نے پھر شورش برپا کر دی۔ معتصم نے ایک عرب سردار عجیف بن طینیہ کو اُن کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ عجیف نے انھیں مغلوب کر کے وہاں سے اُٹھوا کر رُومی سرحد کے ساتھ آباد کیا جہاں یہ لوگ رُومی حملوں کی زد میں پھنس کر قتل ہوتے رہے۔

بابک خُرمی کی شورش

مامون کے عہد میں بابک نے اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا۔ معتصم کے زمانے میں یہ شورشیں سنگین صُورت اختیار کر گئیں۔ اِن باغیوں کے ہاتھوں آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں کو بالخصوص بے پناہ مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ معتصم نے اِس فِتنے کو فرو کرنے کے لیے ترک سالار افشین حیدر کو مامور کیا۔ افشین نے ڈیڑھ سال کی جدوجہد کے بعد بابک کی قوّت کا شیرازہ مُنتشر کر دیا۔ افشین نے بابک کے صدر مقام قلعہ بند کے قریب جنگ لڑی۔ بابک نے شکست کھائی اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن اپنے بھائی سمیت گرفتار ہُوا اور مُعتصم نے اُن کو قتل کروا دیا۔ اس مُہم کی کامیابی پر خلیفہ نے افشین کی بہت عزّت افزائی کی۔

حاکم طبرستان کی بغاوت

والئ خُراسان عبداللہ بن طاہر اور حاکم طبرستان مازیار کے درمیان تعلقات کشیدہ تھے۔ مُعتصم کا سپہ سالار افشین اور مازیار ہم مذہب تھے۔ افشین نے مازیار کو اُکسا کر عبداللہ کے خلاف بغاوت کرا دی۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر عبداللہ اِس بغاوت کو فرو کرنے میں ناکام رہا تو خراسان کی حکومت اُس کے سپرد ہو جائیگی۔ لیکن عبداللہ نے مازیار کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ جب مازیار کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے تمام راز افشاء کر دیا۔

افشین حیدر کا قتل

افشین ترکستان کے ایک فرمانروا کا بیٹا تھا۔ مامون کے عہد میں اُس نے اِسلام قبول کیا اور اسلامی نام حیدر رکھا۔ وہ معتصم کی فوج میں ملازم ہو گیا اور اپنی شجاعت اور جوانمردی کے باعث ترقی کرتے کرتے فوج کا سپہ سالارِ اعظم بن گیا۔ معتصم نے اُسے بابک خُرمی کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا جسے اُس نے کامیابی سے ختم کیا۔ اس فتح پر خلیفہ نے اُس کا درجہ اور بھی بڑھا دیا اور اُسے بیش قیمت خلعت سے نوازا۔ رُومیوں کے مقابلہ میں بھی افشین نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ اپنی عزّت افزائی اور بلند منصبی کے زُعم میں آ کر افشین نے چاہا کہ کسی طرح خراسان کی ولایت پر قابض ہو جائے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اُس نے طبرستان کے حاکم مازیار کے ساتھ ساز باز کر کے اُسے حاکمِ خراسان عبداللہ

بن طاہر کے خلاف مقابلہ پر لا کھڑا کیا۔ افشین کا خیال تھا کہ عبداللہ شکست کھا جائے گا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن عبداللہ نے مازیار کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور جب اُسے مُعتصم کے پاس پیش کیا گیا تو اُس نے افشین کے بارے میں سب راز بتا دیئے اور اُس کے لکھے ہُوئے تمام خطوط معتصم کے سامنے رکھ دیئے۔

اِن خطوط سے یہ ثابت ہو گیا کہ افشین نے نہ صرف مازیار کو بغاوت پر اُکسایا تھا بلکہ اس حقیقت کا بھی انکشاف ہُوا کہ افشین صرف ظاہراً مسلمان ہے لیکن باطن میں ابھی تک اپنے مذہب پر قائم ہے، اور مازیار اور افشین ہم مذہب بھی ہیں۔ افشین نے خلیفہ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی سازش کی لیکن یہ سازش قبل از وقت افشاء ہو گئی۔

اِن جرائم کی بناء پر مُعتصم نے اُسے قید کروا کر 226ھ میں مروا ڈالا۔

مُعتصم کے تُرک جرنیل

خلیفہ مُعتصم تُرکوں کا بہت قدر دان تھا۔ ترک فوجیوں کا لباس باقی فوج کے مقابلہ میں بہت بڑھیا قسم کا ہوتا جن کی پیٹیاں سُنہری ہوتی تھیں۔ چند تُرک سرداروں کو سپہ سالاری کے مناصب بھی عطا کیے۔ اُن کا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ایتاخ

ایتاخ ایک تُرک تھا جس نے معمولی باورچی کی حیثیت سے اپنی زندگی کی ابتدأ کی۔ بعد میں وہ فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اپنی خداداد ذہانت اور دلیری کے باعث ترقی کرتے ہُوئے شاہی افواج کے سپہ سالار کے عہدے تک پہنچا۔ رُومیوں کے خلاف جنگوں میں اُس نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ معتصم کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ چنانچہ اُس کے باقی تمام عہدِ حکومت میں ایتاخ اُس کا سپہ سالار رہا۔ واثق کے زمانے میں تمام اُمورِ سلطنت اُس کے ہاتھ میں آ گئے اور وہ بیک وقت کئی عہدوں پر فائز رہا۔ متوکل نے تخت پر بیٹھتے ہی اُسے قتل کروا دیا۔

اشناس

یہ بھی اُن تُرک غلاموں میں سے ایک تھا جو معتصم نے خریدے تھے۔ جنگوں میں بے مثال بہادری اور ذہانت کے باعث اشناس سپہ سالاری کے عُہدے پر پہنچا۔ اُس نے جنگِ عموریہ میں ترکوں کے خلاف زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔ اشناس کے کارناموں سے مُعتصم اس قدر خوش ہُوا کہ وہ اُسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا کرتا تھا۔ واثق نے اُس کی عزت و مرتبہ میں اور بھی اضافہ کیا۔

اِن کے علاوہ وصیف اور مُوسیٰ بھی تُرک اُمرائ تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔

ترکوں کی اِس عزت افزائی پر عرب سردار ناراض ہو گئے۔ اُنھوں نے مُعتصم کے بھتیجے عباس بن مامون کو اُکسا کر بغاوت کرائی۔ معتصم نے عباس کی املاک ضبط کر کے اُسے قید میں ڈال دیا جہاں وہ کچھ دنوں بعد وفات پا گیا۔

فتوحات

معتصم کا میلانِ طبع جنگ و جدل کی طرف مائل تھا۔ اس نے کئی بار سرزمینِ روم پر چڑھائی کی اور ہر حملے میں کئی قلعے اور نئے علاقے فتح کیے۔

جب معتصم بابک خُرمی کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا تو قیصرِ رُوم توفیل نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زبطرہ کے سرحدی شہر کو تاخت و تاراج کیا اور وہاں کئی مُسلمان باشندوں کو قتل کرا دیا۔ پھر ملطیہ کو فتح کر کے وہاں بھی لوگوں پر مظالم ڈھائے۔ بہت سی مسلمان عورتوں کو گرفتار کر لیا اور متعدد مردوں کو اندھا کروایا اور اُن کے ناک کان کٹوا دیئے۔

عموریہ کی فتح

جب مُعتصم کو خبر ملی کہ قیصرِ رُوم نے ملطیہ کے مُسلمانوں پر مظالم ڈھائے ہیں تو فوج کو اُسی وقت روانگی کا حُکم دیا۔ زبطرہ مُعتصم کی جائے پیدائش تھا اِس لیے وہاں کے لوگوں پر وحشیانہ مظالم کی کہانی سُن کر اُس نے قسم کھائی کہ قیصر کی جائے پیدائش عموریہ کو تباہ و برباد کر کے چھوڑے گا۔

222ھ میں معتصم نے عموریہ کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں وہ فوج بھی اُس کے ساتھ مل گئی جو بابک خُرمی کی بغاوت کو فرو کر کے واپس آ رہی تھی۔ قیصرِ رُوم بھی بھاری جمعیت کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا اور انگورہ کے قریب ایک ایسے مقام پر آ کر پڑاؤ ڈالا جو جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا۔ لیکن معتصم کے سپہ سالار افشین نے عیسائی افواج کو شکست دے کر مُنتشر کر دیا۔

اَب معتصم عموریہ کی طرف بڑھا۔ عموریہ، انگورہ سے سات منزل دُور تھا۔ قیصرِ رُوم نے عموریہ کی حفاظت کے اِنتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اِسلامی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے شدید سنگ باری کی۔ اس طرح شہر کی فصیل کے ایک حصّے میں شگاف پڑ گیا جس سے مسلمان اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور اُنھیں فتح حاصل ہُوئی۔ بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہُوئے مُعتصم نے رُومیوں کے مظالم کا بدلہ نہ لیا اور اپنی فوج کو قتل و غارت سے باز رکھا۔

وفات

مُحرّم 227ھ بمطابق 842ء میں چند روز بیمار رہ کر معتصم نے وفات پائی۔ اُسے اپنے آباد کردہ شہر سامرا میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت اُس کی عمر

47 سال تھی اور مدتِ خلافت قریباً پونے نو سال تھی۔

واثق باللہ

227ھ تا 232ھ بطابق 842ء تا 847ء

معتصم کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشین ہُوا۔ وہ بھی ایک کنیز کے بطن سے تھا۔ اپنے باپ کے برعکس واثق فضل وکمال اور علم وفن کا دلدادہ تھا۔ شاعری اور فنِ خطابت میں دسترس حاصل تھی۔ موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔

واثق نے معتزلی عقائد کو پھیلانے کے لیے اپنے والد سے بھی بڑھ چڑھ کر جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ اُس کے خلاف احمد بن نصر نے آواز اُٹھائی اور بغداد میں واثق کے معتزلی عقائد کی کھلم کھلا تردید شروع کی۔ بہت سے لوگوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن واثق نے اُسے جلد گرفتار کر لیا۔ واثق کے سامنے سامرا میں بھرے دربار میں احمد بن نصر نے معتزلی عقاید کی مخالفت کی، اس لیے واثق نے خود اُس کا سَر تن سے جُدا کر دیا۔ واثق کی مذہبی پالیسی متعصبانہ تھی۔ قیصرِ روم کے ساتھ جب جنگی قیدیوں کے تبادلہ کا معاہدہ ہُوا تو واثق نے صرف اُن جنگی قیدیوں کی رہائی قبول کی جو معتزلی عقائد رکھنے والے تھے۔ باقیوں کو رومیوں کی قید میں رہنے دیا گیا۔

سیاسی معاملات میں بھی وہ اپنے باپ کی حکمتِ عملی پر عمل کرتا رہا۔ ترکوں کو مزید بالادستی اور اقتدار نصیب ہُوا۔ ترک غلام اشناس کو سپہ سالارِ فوج کے علاوہ نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ خلیفہ خود انتظامی اُمور چلانے کی اہلیت سے عاری تھا، اِس لیے ملک کا نظم ونسق ترکوں کے سپرد تھا جو اُمورِ مملکت میں سیاہ وسفید کے مالک بن گئے تھے۔ عربوں نے خلیفہ کی تُرک نواز پالیسی کے خلاف دمشق، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بغاوتیں کیں لیکن ترکوں نے قتلِ عام کر کے عربوں کی بغاوتوں کو کچل دیا۔

واثق باللہ نے 232ھ میں وفات پائی۔

سوالات

i۔ معتصم کی یہ سب سے بڑی غلطی تھی کہ اُس نے ترکوں کی مستقل فوج قائم کی جو بعد میں عباسیہ خلافت کے زوال کا باعث بنی، اس نظریہ پر بحث کریں۔

ii۔ معتصم کی فتوحات کا حال بیان کریں۔

iii۔ معتصم کے تُرک جرنیلوں کا حال بیان کریں۔

جعفر متوکل علی اللہ

232ھ تا 247ھ بمطابق 847ء تا 861ء

تعارف

واثق باللہ کی وفات کے بعد اُس کا بھائی جعفر بن معتصم تخت نشین ہوا۔ چونکہ واثق نے کسی کو اپنا ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا، اس لیے اُس کی وفات پر اُمراء، وزراء اور فوجی سردار ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کسے خلیفہ بنایا جائے۔ سب نے جعفر بن معتصم کو خلیفہ بنانے پر اتفاق کیا۔ خلیفہ بننے پر جعفر نے متوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا۔

مُتوکل کا عہد خوش حالی، فارغ البالی اور امن و امان کا دَور تھا۔ سامانِ خورد و نوش اور دیگر ضروریاتِ زندگی ارزاں تھیں۔ لہٰذا عوام خوش و خرم تھے، لیکن یہ خوشحالی متوکل کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ پچھلی ایک صدی کے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کا نتیجہ تھی۔

مُتوکل عیش و عشرت کا دِلدادہ تھا۔ اُس نے خلافت سنبھالتے ہی اپنے پیشرو خلفاء کی سیاسی اور مذہبی پالیسیوں کو اُلٹ دیا۔ عقیدۂ خلقِ قرآن کے بارے میں بحثوں اور مناظروں پر پابندی لگا دی اور معتزلہ کے عقائد و نظریات سے سرکاری سرپرستی ختم کر دی۔ تمام علماء جو معتزلی عقائد کی بناء پر قید تھے، رہا کر دیئے گئے اور اُن کی ضبط شدہ جائیدادیں واگذار کروا دیں۔ جمہورِ اسلام متوکل کے اِس اقدام پر بہت خوش ہُوئے اور اُسے محافظِ سُنّتِ رسُولؐ کہنے لگے۔

خلیفہ متوکل نے ترکوں کے اقتدار کو کم کرنے کے لیے بھی کئی اقدامات کیئے، مگر ایسا کرنے میں اُسے کامیابی نہیں ہوسکی اور وہ خود بھی اُن کے ہاتھوں قتل ہُوئے۔ خلیفہ کے قتل ہونے سے عباسی خلافت کی عظمت و احترام میں کمی واقع ہُوئی۔

ابنِ زیات کا قتل

متوکل ایک بہت بے رحم اور کینہ پرور شخص تھا۔ معمولی باتوں پر غضب ناک ہوکر اپنے مخالفوں کو سخت سزائیں دیتا اور انھیں قتل تک کروا دیتا تھا۔

وزیرِ اعظم ابن زیات نے واثق کے زمانے میں متوکل سے نہایت ہتک آمیز سلوک کیا تھا اور کئی بار اُسے ڈانٹ پلائی تھی۔ علاوہ ازیں اُس نے جانشینی کے بارے میں بھی محمد بن واثق کی حمایت کی تھی، اس وجہ سے متوکل اُس کا دُشمن بن گیا اور صفر 232ھ میں اُسے قید کروا کر قید خانے میں اُس پر اتنا تشدد کیا کہ وہ چند روز کے بعد مر گیا۔

ایتاخ کا قتل

متوکل اپنے ترک سرداروں کے بڑھتے ہُوئے اقتدار سے تنگ آگیا تھا، لہٰذا اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اُن کی طاقت کو ختم کر کے دَم لے گا۔

اُس زمانے میں ایتاخ سپہ سالاری، دارالخلافہ کی امارت اور حجابت جیسے اہم عُہدوں پر فائز تھا۔ خلیفہ نے اُسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ اُسے سامرا میں قتل کرانا مشکل تھا اس لیے چند آدمیوں کے ذریعے خلیفہ نے ایتاخ کو حج پر جانے کے لیے آمادہ کیا اور اُسے بڑے تپاک سے رُخصت کیا۔

جب ایتاخ حج سے واپس بغداد پہنچا تو خلیفہ نے کوتوالِ شہر اسحٰق بن ابراہیم کو خُفیہ احکام بھیج کر اِسے معہ دو بیٹوں کے گرفتار کروا دیا۔ قید خانے میں ایتاخ کو اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ وُہ اُن کی شدت سے چل بسا۔ تُرکوں سے چونکہ وہ بہت بیزار ہو چکا تھا اس لیے سامرا کو چھوڑ کر اُس نے دارالخلافہ دمشق میں مُنتقل کر لیا۔ لیکن بعد میں اِس خیال سے کہ کہیں ترک بغاوت نہ کر دیں، واپس سامرا آگیا لیکن بہانہ یہ بنایا کہ دمشق کی آب و ہوا اُس پر راس نہیں آئی تھی۔

ایتاخ کے قتل کے بعد تُرکوں کو یقین ہو گیا تھا کہ متوکل تُرکوں کے اقتدار کو مٹانے کے درپے ہے۔ لہٰذا وہ بھی خلیفہ کے خلاف دل میں کدُورت رکھنے لگے اور آخر کار ایک ترک سردار اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ ایک رات قصرِ خلافت میں گُھس گیا اور متوکل کو 4 شوال 247ھ کو قتل کر دیا۔

سوالات

i۔ متوکل کی پالیسی سے عباسی خاندان کے مُستقبل پر کیا اثر پڑا ؟

ii۔ ایتاخ کی زندگی کے حالات لکھیں، اُس کے قتل سے کیا نتائج برآمد ہُوئے ؟

خلافتِ عباسی کا دَورِ انحطاط

تعارف

متوکل علی اللہ کے قتل کے بعد ستائیس خلفائے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اِن میں سے بعض بہت قابل اور صاحب علم تھے۔ انھوں نے عباسی خلافت کے زوال کو روکنے کے لیے بہتیرے اقدامات کیے لیکن وہ اِس زوال کے فطری عمل کو نہ روک سکے۔ عباسی خلافت کے زوال کا یہ دَور 247ھ تا 656ھ بمطابق 861ء تا 1258ء پر محیط تھا۔ عباسی خلافت جسے آلِ عباسؓ نے قائم کیا تھا، اپنے رُوحانی اثر کی بدولت چار سو سال تک قائم رہی۔ حقیقت میں عباسی سلطنت کئی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ان سلطنتوں کے فرمانروا خلفائے بنو عباس سے محض سندِ حکومت حاصل کر کے اُن کے برائے نام ماتحت ہوتے تھے جب کہ عملی طور پر وہ خود مختار اور آزاد حکمران تھے۔ عباسی حکومت کے زوال پذیر ہونے پر جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں اُن میں طاہریہ، دیالمہ، صفاریہ، غزنہ اور سلاجقہ اہم تھیں۔ مُنتصر باللہ سے مستعصم باللہ تک ستائیس خلفائے کی فہرست درج ذیل ہے:

خُلفائے بنو عباس

1- مُنتصر باللہ 247ھ تا 248ھ بمطابق 861ء تا 862ء
2- مستعین باللہ 248ھ تا 252ھ بمطابق 862ء تا 866ء
3- معتز باللہ 252ھ تا 255ھ بمطابق 866ء تا 868ء
4- مہتدی باللہ 255ھ تا 256ھ بمطابق 869ء تا 870ء
5- معتمد علی اللہ 256ھ تا 279ھ بمطابق 870ء تا 892ء
6- مُعتضد باللہ 279ھ تا 289ھ بمطابق 892ء تا 902ء
7- مُکتفی باللہ 289ھ تا 295ھ بمطابق 902ء تا 907ء
8- مقتدر باللہ 295ھ تا 320ھ بمطابق 907ء تا 932ء
9- قاہر باللہ 320ھ تا 322ھ بمطابق 932ء تا 934ء
10- راضی باللہ 322ھ تا 329ھ بمطابق 934ء تا 940ء
11- مُتقی باللہ 329ھ تا 333ھ بمطابق 940ء تا 944ء

مستکفی باللہ 333ھ تا 334ھ بمطابق 944ء تا 945ء

13- مطیع اللہ 334ھ تا 363ھ بمطابق 945ء تا 974ء

14- طائع للہ 363ھ تا 381ھ بمطابق 974ء تا 991ء

15- قادر باللہ 381ھ تا 422ھ بمطابق 997ء تا 1031ء

16- قائم بامراللہ 422ھ تا 467ھ بمطابق 1037ء تا 1075ء

17- مقتدی بامراللہ 467ھ تا 487ھ بمطابق 1075ء تا 1094ء

18- مستظہر باللہ 487ھ تا 512ھ بمطابق 1094ء تا 1118ء

19- مسترشد باللہ 512ھ تا 529ھ بمطابق 1118ء تا 1135ء

20- راشد باللہ 529ھ تا 530ھ بمطابق 1135ء تا 1135ء

21- مقتفی لامراللہ 530ھ تا 555ھ بمطابق 1135ء تا 1160ء

22- مستنجد باللہ 555ھ تا 566ھ بمطابق 1160ء تا 1170ء

23 مستضئی بامراللہ 566ھ تا 575ھ بمطابق 1170ء تا 1179ء

24- ناصر دین اللہ 575ھ تا 622ھ بمطابق 1179ء تا 1225ء

25- ظاہر باللہ 622ھ تا 623ھ بمطابق 1225ء تا 1226ء

26- مستنصر باللہ 623ھ تا 640ھ بمطابق 1226ء تا 1242ء

27- مستعصم باللہ 640ھ تا 656ھ بمطابق 1242ء تا 1258ء

باب چہارم

سُلطان صلاحُ الدّین ایوّبی

1176ء تا 1250ء

صلاح الدین یوسف دریائے دجلہ کے کنارے تکریت کے مقام پر 1138ء میں پیدا ہُوا۔ اُس کے والد نجم الدّین ایوّب کے عمادالدّین زنگی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ جب عمادالدّین زنگی سلجوقیوں سے شکست کھا کر دریائے دِجلہ عبُور کر رہا تھا تو نجم الدّین ایوّب نے اُسے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی تھیں جن سے عمادالدّین زنگی بہت متاثر ہُوا تھا۔ نجم الدّین ایوب جب تکریت چھوڑ کر عمادالدّین زنگی کے پاس موصل پہنچا تو اُس نے اُسے بعلبک کا حاکم مقرر کر دیا۔ نجم الدّین ایوّب نے اپنے بڑے بھائی اسدالدّین کو نورالدّین کی خدمات پر مامور کیا۔ صلاح الدین پچیس برس کی عمر تک ایک عام آدمی تھا۔ 1164ء میں اُس کے چچا اسدالدّین شیر کوہ نے نورالدّین کی ہدایات پر جب مصر پر فوج کشی کی تو صلاح الدین بھی اُس کے ساتھ تھا۔ مصر کے وزیر شاور سعدی کے قتل کے بعد خلیفہ عاضد نے اسدالدّین کو منصبِ وزارت پر فائز کیا اور الملک المنصور کا لقب دیا۔ اس طرح فاطمی حکومت بھی نورالدّین کے ماتحت ہوگئی۔ دو ماہ کے عرصے کے بعد اسدالدین شیر کوہ فوت ہوگیا۔ چنانچہ عاضد نے صلاح الدّین یوسف ایوبی کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا اور الملک الناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدّینَ نے مصر میں نورالدین کا خطبہ جاری کر دیا اور آہستہ آہستہ سارے مصر میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ خلیفہ عاضد برائے نام حاکم تھا۔ تمام اختیارات عملی طور پر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں تھے۔ آخر کار فاطمی خلیفہ عاضد کی وفات کے بعد نورالدین کے احکامات کے تحت عباسی خلیفہ مستفی کے نام کا خطبہ جاری کرا دیا گیا۔ اِس طرح مصر میں فاطمی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ 1174ء میں نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کا خُود مختیار فرمانروا بن گیا۔ سلطان نے حجاز، یمن اور شام کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیے۔ چنانچہ 1175ء میں خلیفہ بغداد مستفی باللہ نے سلطان کی حکومت تسلیم کرلی۔ 1185ء میں سلطان نے موصل کا علاقہ بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

صلیبیوں سے جنگیں

موصل کی فتح کے بعد سُلطان نے دُنیائے اسلام کے لیے سب سے بڑے خطرے صلیبیوں سے جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ

جنگیں ریجی نالڈ کی عہد شکنی کی وجہ سے شروع ہوئیں۔ عیسائی فوجوں نے مُسلمانوں کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن صلاح الدین ایوبی نے اُن کی بڑھتی ہوئی فوجوں کو پسپا کر کے بہت سے علاقے آزاد کرا لیے۔

حطین و عسقلان کی جنگیں

سُلطان صلاح الدین نے صلیبیوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ حطین کے مقام پر لڑی جو فلسطین میں واقع ہے۔ اِس معرکہ میں بیس ہزار صلیبی قتل ہُوئے۔ خُود ریجی نالڈ بھی قتل ہُوا۔ سلطان نے اِس کے بعد عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر قبضہ کر کے بَیت المقدس کی فتح کے لیے راستہ ہموار کر لیا۔

بَیتُ المقدس کی فتح

سُلطان نے عسقلان سے پیشقدمی کر کے بَیت المقدس کو گھیرے میں لے لیا اور ایک ہفتہ کے محاصرہ کے بعد اسے فتح کر لیا۔

صلیبیوں نے جب بَیت المقدس فتح کیا تھا تو مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے لیکن صلاح الدین نے عیسائیوں کے ساتھ رحمدلی اور فیاضی کا سلوک کیا۔ اِس فراخدلانہ سلوک کا عیسائی مؤرخین بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سُلطان نے ہزاروں عیسائیوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور بعض کا فدیہ خُود اپنی جیب سے ادا کر کے اُنھیں رہا کیا۔

تیسری صلیبی جنگ اور عکہ پر عیسائیوں کا قبضہ

بَیت المقدس پر مُسلمانوں کے قبضے سے عیسائی دُنیا میں تہلکہ مچ گیا۔

شاہانِ جرمنی، اِنگلستان اور فرانس کی متحدہ افواج نے ساحلِ شام پر حملہ کر کے عکہ کے مشہور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بڑی بہادری سے اس یلغار کو روکا۔ سلطان نے بغداد کے عباسی خلیفہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں سے بھی مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے اُن کی مدد نہ کی۔ اِس پر سلطان نے تنہا ہی صلیبی لشکر کا جو عکہ شہر کا محاصرہ کیے ہُوئے تھا، باہر اطراف سے محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں نے پلٹ کر سلطان کے لشکر کا مقابلہ کیا، لیکن ہزاروں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے۔ اِن لاشوں کی بدبُو سے مجبُور ہو کر سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ صلیبیوں نے ایک بار پھر سلطان کے لشکر پر حملہ کیا، مگر شکست کھائی۔ سُلطان نے بھی دوبارہ جوابی حملہ کیا۔ صلیبی مورچے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس موقع پر انگلستان کے شاہ رچرڈ کی فوجیں پہنچ گئیں، جن سے صلیبیوں کو عددی کثرت حاصل ہو گئی۔ اِس صُورتِ حال سے سُلطان نے مجبُوراً شہر اِس شرط پر عیسائیوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا کہ وُہ زرِ فدیہ لے کر تمام مُسلمانوں کی جان بخشی کر دیں گے۔ لیکن اُنھوں نے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اسے خُوب لُوٹا اور زرِ فدیہ کی ادائیگی

میں تاخیر کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔

سلطان نے اِس کے بعد بھی صلیبیوں کے خلاف مزاحمت جاری رکھی، یہاں تک کہ مقامِ ارسوف پہنچنے تک دونوں فوجوں کے درمیان گیارہ مرتبہ تصادم ہُوا۔ ارسوف کے مقام پر ایک شدید جنگ ہوئی لیکن سلطان کی فوج کو تعداد میں کم ہونے کے باعث پیچھے پلٹنا پڑا۔ تاہم وہ عسقلان شہر کی طرف بڑھا جو صلیبیوں کا نشانہ بننے والا تھا۔ سلطان نے شہر کو مسمار کر کے زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ جب صلیبی یہاں پہنچے تو اُنھوں نے شہر کو تباہ و برباد پایا اور علاوہ ازیں بہادر سلطان کو بھی مقابلے کے لیے تیار پایا۔

بَیتُ المقدس پر قبضہ کی کوشش

صلیبیوں نے بَیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی، لیکن وہ اپنے لاتعداد فوجی مروانے کے باوجود بھی اِس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ صلیبی سپہ سالار باربروسا دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا اور اُس کی فوج منتشر ہو گئی۔ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اُنھوں نے صُلح کے لیے گفتگو شروع کر دی۔ لیکن جب شرائط طے ہو گئیں تو وہ خُود ہی معاہدہ سے پھر گئے اور ایک بار پھر بَیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ پیش قدمی کرتے ہُوئے صلیبی بَیت المقدس کے قریب پہنچ گئے، لیکن سلطان نے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ شاہِ انگلستان رچرڈز بیمار پڑ گیا اور صلیبیوں نے صُلح کی درخواست کی۔ چنانچہ اس صلح نامہ کے نتیجہ میں بَیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا جب کہ عکہ پر عیسائی قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔

وفات

صلیبیوں کے ساتھ تیسری جنگ کے خاتمہ پر صلاح الدین واپس دمشق پہنچا۔ سخت محنت اور جنگوں میں ذاتی شمولیت کی وجہ سے اُس کی صحت پر اثر پڑا تھا اس لیے چند دن بیمار رہنے کے بعد اُس نے چار مارچ 1193 کو وفات پائی۔ اُسے جامع مسجد دمشق کے قریب دفن کیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو عبرتناک شکستیں دے کر اِسلامی دُنیا کی عظمت میں اضافہ کیا۔ وہ ایک تجربہ کار شمشیر زن، مُجاہد اور عظیم حکمران تھا۔ وہ حد درجہ پرہیزگار اور امورِ شریعت کی حفاظت کرنے والا تھا۔ اُسے قرآنِ پاک کے سُننے کا بہت شوق تھا۔ سلطان کی فیاضی اور رحمدلی ضرب المثل تھی۔ جنگی مصروفیات کے باوجود انتظامِ سلطنت، عوامی بہبود اور رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف خصوصی توجہ دیتا رہتا۔ قاہرہ کا قلعہ اُس کی یادگار ہے۔ سلطان نے ایسے شاندار کارنامے سرانجام دیئے کہ آج بھی تاریخ میں وہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک بہت

بڑا منتظم ہونے کے علاوہ علم و ادب کا بھی سرپرست تھا۔ کاتب امام الدین، بہاؤالدین، قانونِ فقہ کے ماہر الھکاری اور قاضی الفضل جیسے علماء کو اُس کی سرپرستی حاصل تھی۔ اُس نے کئی مدرسے شفاخانے اور عوامی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کیے۔ ایوبی خاندان کا بانی سلطان صلاح الدین ہی تھا۔

زوال

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد سلطنتِ ایوبیہ زوال پذیر ہوگئی۔ سارا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اُس کی اولاد میں تقسیم ہوگیا۔ سلطان کے چھوٹے بھائی ملک العادل نے مصر اور شام کے اکثر علاقے اپنے زیرِ نگیں کر لیے۔ اُس نے صلیبیوں کو کئی ایک جنگوں میں شکستیں دیں۔ ملک العادل کی وفات کے بعد ایوبی سلطنت مزید ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور 1250ء میں توران شاہ ایوبی کے بعد مصر میں ایبک مملوکوں نے ایوبی خاندان کا خاتمہ کر کے مملوک خاندان کی بُنیاد رکھی۔

سوالات

i۔ صلاح الدین ایوبی کی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کریں۔

ii۔ صلاح الدین ایوبی کے کارنامے و سیرت بیان کریں۔

صلیبی جنگیں

بیت المقدس عیسائیوں کا مقدس مقام تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اسلامی فوجوں نے ابو عبیدہؓ کی کمان میں اسے فتح کیا اور بیت المقدس کئی سو برس تک اسلامی سلطنت کے قبضہ میں رہا۔ اسلامی حکومت نے عیسائیوں کو پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ ان کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک روا رکھتے۔ سلطنت کے طول و عرض میں عیسائی لوگ آزادانہ حرکت کر سکتے تھے۔ بڑے بڑے سرکاری عہدے ان کے لیے کھلے تھے۔ عیسائی لوگ دور دراز علاقوں اور ممالک سے بیت المقدس میں زیارت کے لیے آتے اور ان کے مختلف فرقوں کے درمیان مسلمان امن و امان قائم رکھتے۔ ان کے قیام، طعام اور آرام کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس طرح یہ عیسائی مسلمانوں کے حسن سلوک اور مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔

جب 361ھ میں مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہوا تو فاطمی حکمرانوں نے وہاں عیسائیوں کی تجارتی سرگرمیوں کی سرپرستی کی۔ لیکن اہل اسلام کی یہ تمام رواداری بھی عیسائیوں کے تعصب کو کم نہ کر سکی۔ وہ بیت المقدس میں مسلمانوں کے وجود تک کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ موقع ملتے ہی یورپ کے عیسائیوں نے متحد ہو کر بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یسوع مسیح کے دین اور صلیب مقدس کے نام پر یورپ کے عیسائیوں نے سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کیا اور بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ یہ کشمکش قریباً دو صدیوں تک جاری رہی اور تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان جنگوں کے اسباب مندرجہ ذیل تھے :

i۔ مذہبی تعصب

مسلمانوں نے اپنی عیسائی رعایا اور بیت المقدس کی زیارت کو آنے والے زائرین سے رواداری کا سلوک کیا، لیکن مذہبی رقابت کی بناء پر عیسائی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان ان کے مرکزی مقدس مقام پر قابض رہیں۔

ii۔ سیاسی رقابت

مذہب اسلام جزیرہ عرب سے افریقہ، ایشیا اور یورپ کے جنوبی حصوں (سپین، فرانس) تک پھیل گیا۔ اسلام کے اس سیلاب کو رومی اور عیسائی قوتیں روکنے میں ناکام رہیں۔ عیسائی حکمرانوں نے سیاسی شکست کا

بدلہ لینے کے لیے مذہب کی حفاظت کے نام پر عیسائی عوام کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کی سیاسی قوت کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں۔

iii۔ مُسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیاں

عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ اُٹھایا۔ بغداد کی عباسی حکومت اَب برائے نام تھی۔ مصر پر دولتِ عبیدیہ کا قبضہ تھا، جو زوال پذیر تھی۔ سلجوقی خاندان کے فرمانروا بھی باہمی خانہ جنگیوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ فلسطین پر ترکوں کے ایک خاندان ارتوک کا قبضہ تھا۔ ارتوک خاندان اور سلجوقیوں میں اختلافات تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی طاقت بٹی ہوئی تھی اور ان کے اختلافات اس قدر شدید تھے کہ یہ مُتحد ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اِس صورتِ حال سے عیسائیوں کے حوصلے بلند ہوئے اور اُنھوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

iv۔ عیسائی زائرین کی بدعنوانیاں

عیسائی زائرین دُور دراز ملکوں سے خُوب مُنظّم ہو کر آتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ فوجی دستے ہوں۔ وہ باجے بجاتے اور مشعلیں روشن کیے بیت المقدس میں داخل ہوتے اور یہاں قابلِ اعتراض حرکات اور طور طریقے کرتے رہتے۔ فلسطین کے تُرک حکمران، عربوں کی طرح متحمل مزاج نہ تھے۔ اُنھوں نے اخلاقی طور پر گری ہوئی حرکات کی وجہ سے عیسائی زائرین کو روکنا شروع کر دیا اور تنبیہہ کی کہ وہ بِلا اجازت زیارت کے لیے نہ آئیں، لیکن زائرین نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اِس پر ترکمانوں نے اِن عیسائی زائرین پر کچھ اخلاقی پابندیاں لگانی شروع کیں۔ اِن زائرین نے واپس جا کر مَن گھڑت قصے بنا کر لوگوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا۔

v۔ پادریوں کا پروپیگنڈا

اُس زمانے میں پادریوں نے یورپ میں پروپیگنڈا کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے اور عیسائیوں کے تمام مصائب کا خاتمہ کر دیں گے، لیکن اُن کا نزول تب ہو گا جب یروشلم (بیت المقدس) کا مقدس شہر مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرا لیا جائے۔ پادریوں اور راہبوں نے عیسائی زائرین کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کے مَن گھڑت قصے سُنا کر لوگوں کے مذہبی جذبات کو اُبھارا۔ ایک مُتعصب راہب پِیٹر نے مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہُوئے یورپی عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف خُوب آگ لگا دی۔ پہلے تو وہ پوپ کے پاس جا کر

رو یا پیٹا اور پھر برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی گیا۔ اُس نے ہر جگہ مقاماتِ مقدسہ کو کافروں (مسلمانوں) سے آزاد کرانے کی دعوت دی۔ اِس طرح عیسائی عوام میں جوش و خروش جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ اِن حالات میں نومبر 1094ء میں رُوم کے پوپ اربن نے اعلان کیا۔

"ان کافروں سے جہاد کرو جو حضرت مسیح کی خانقاہ پر قابض ہیں۔ تم میں سے جو بھی اس جہاد میں شامل ہو گا، اُس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دوں گا۔ تم میں سے جو مارا جائے گا اُسے بہشت میں جگہ دوں گا۔"

پوپ کے اس اعلان نے عیسائی دُنیا میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کی۔ مذہبی جنون کے ساتھ ملک گیری کی ہوس بھی بڑھ گئی۔ اِن لڑائیوں میں شریک ہونے والوں کے سفلی جذبات کو یونان کی عورتوں کے حُسن اور مشرق کی خوشبودار شراب کے تذکروں سے پادریوں نے خُوب اُبھارا۔ جُونہی کوئی عیسائی جنگ میں شرکت کی غرض سے صلیب کا نشان گلے میں لٹکا دیتا تو وہ قرض اور ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد ہو جاتا۔ دُنیاوی فوائد کے علاوہ گناہوں کی معافی کا بھی یقین دلایا جاتا اور جنگ میں مرنے کی صُورت میں انھیں بہشت کی خوش خبری دی جاتی۔

واقعات

پہلی صلیبی جنگ

مسلمانوں کے خلاف عیسائی مذہب کے نام پر پوپ کے اعلانِ جنگ سے فلسطین پر فوج کشی کے خیال نے یورپ کے عیسائیوں میں جوش پیدا کر دیا۔ ہر شخص کو اِس میں مال و دولت کے حصول کا زبردست موقع نظر آنے لگا۔ جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے والے کاشتکار، خانقاہوں کی زندگی سے تنگ آئے ہُوئے راہب غرض تمام لوگ اِن مُہمات سے فوائد حاصل کرنے کے لیے فوج میں شریک ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تیرہ لاکھ فوج جمع ہو گئی۔ اِن میں سب سے بڑے گروہ کا سردار پیٹر راہب تھا۔ یہ فوج اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے لگی لیکن راستے میں قتل و غارت کرتی ہوئی، خود آپس میں لڑتی ہوئی، قحط اور بیماری کا شکار ہوتی ہوئی جب فلسطین پہنچی تو اُس کی کُل تعداد صرف بیس ہزار رہ گئی۔ بیت المقدس اُس وقت مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے قبضہ میں تھا، جو اُس نے ترکمانوں سے لیا تھا۔ مصری خلیفہ عیسائیوں کے اس لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ عیسائیوں نے 10 جون 1095ء بمطابق 490ھ کو بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ بیت المقدس میں یہودی اور غیر مقلد عیسائی بھی

قتل ہوئے۔ شہر کی ساٹھ ہزار آبادی کو پوری طرح تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس طرح صلیبیوں نے یہ فتح تیرہ لاکھ افراد کی قربانی دے کر حاصل کی۔

گاڈ فرائے کو بیت المقدس کا بادشاہ بنایا گیا۔ وہ بہت بہادر تھا لیکن ایک اچھا منتظم نہ تھا۔ اُس نے جلد ہی وفات پائی۔

اس کے بعد بودرائن اُس کا جانشین بنا لیکن وہ بھی نالائق نکلا۔ بودرائن 1119ء میں مر گیا۔ عیسائیوں نے شام اور فلسطین کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اُنھوں نے یورپ کا جاگیردارانہ نظام یہاں بھی رائج کر کے اِن علاقوں کو تباہی و بربادی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ جاگیردار آپس میں لڑتے اور ملک کو تباہ و برباد کرتے۔

دُوسری صلیبی جنگ

پہلی صلیبی جنگ کی تباہ کاریوں نے مُسلمان حکمرانوں کو بیدار کیا۔ خلفائے بغداد نے اپنے اختلافات ختم کرنے اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوششیں کیں لیکن یہ بارآور ثابت نہ ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے نورالدین زنگی جیسے بہادر شخص کو پیدا کیا۔ وہ عمادالدین کا بیٹا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد حلب کا علاقہ اُسے ملا۔ نورالدین نے فوج جمع کر کے عیسائی فرنگیوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور ان کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ شام میں مسلمانوں کی کامیابیوں اور خاص کر ایڈیسا کی فتح نے فلسطین کے عیسائیوں کو اس قدر ہیبت زدہ کر دیا کہ اُنھوں نے یورپ سے مدد طلب کی۔ اُن کی مدد کے لیے سینٹ برنارڈ نے عیسائیوں کو مذہبی جوش دلایا۔ 1147ء میں جرمن بادشاہ کونراڈ سوئم اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم فوج لے کر فلسطین کی مدد کے لیے آ گئے۔ ان کی تعداد نو لاکھ تک ہو گئی تھی۔ اس فوج میں بھی ہر قسم کی اخلاقی بُرائیاں موجود تھیں۔ نورالدین زنگی اور سلجوقیوں نے عیسائیوں کے اس فوج کو کئی مقامات پر شکستیں دیں اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ تباہ و برباد کر دیا گیا۔

صلاحُ الدّین ایوبی اور فتح بیتُ المقدس

عیسائیوں سے بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا فخر صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہے۔ اُس نے پہلے مصر، عرب، عراق اور عجم اپنے قبضہ میں لیے، اور پھر یروشلم کی طرف متوجہ ہُوا۔ سُلطان نے لڑائی سے پہلے عیسائیوں کو شرطیں پیش کیں جنھیں اُنھوں نے نامنظور کر دیں، اس لیے سُلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد محصورین نے صلح کی درخواست کر دی۔

سلطان نے صُلح منظور کرلی اور عیسائی آبادی کو شہری حقوق دے کر انھیں اپنی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے دی لیکن صلیبی سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ چالیس دن کے اندر اپنے بال بچوں سمیت بیت المقدس سے نکل جائیں۔ جنگی سپاہیوں سے زرِ فدیہ وصول کرتے ہوئے سلطان نے بڑی فیاضی کا برتاؤ کیا۔ بہت سے صلیبی سپاہیوں کا فدیہ سلطان نے اپنی جیب سے ادا کیا اور ہزاروں کا فدیہ بالکل معاف کردیا۔ صلیبی سپاہیوں کے ظلم وجبر کے برعکس نہ تو عوام کا قتلِ عام ہُوا اور نہ ہی لُوٹ مار کی گئی بلکہ اُن کے ساتھ بہت ہمدردی اور درگزر کا سلوک کیا گیا۔ اس طرح 1187ء بمطابق 583ھ کو ترانوے برس کے بعد بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور یہ شہر بعد میں سات صدیوں سے زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ عیسائیوں نے اِسے واپس حاصل کرنے کے لیے متعدد بار لشکرکشی کی لیکن وہ ہر بار ناکام رہے۔ بالآخر 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی یہودی حکومت بیت المقدس (یروشلم) پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

تیسری صلیبی جنگ

جب بیت المقدس کی فتح صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں مکمل ہوئی تو اس خبر سے سارے یورپ میں بے چینی پھیل گئی۔ پادریوں اور راہبوں نے یورپ کے بادشاہوں کو مجبُور کیا کہ بیتُ المقدس کو واپس لینے کے لیے وُہ ایک نئی صلیبی جنگ لڑیں۔ اس مہم میں یورپ کے تین بادشاہوں یعنی انگلستان کے شاہ رچرڈ، فرانس کے فِلپ آگسٹس اور جرمنی کے شاہ فریڈرک باربروسا نے شرکت کی۔ یورپ کی یہ فوجیں عکہ کے قریب جمع ہونے لگیں۔ سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کے اس متحدہ قوت سے مقابلے کے لیے مسلمان حکمرانوں سے مدد کی درخواست کی، مگر کسی نے بھی سلطان کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ سلطان نے تنہا طور پر اُن کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ 1189ء سے 1192ء تک عکہ اور عسقلان کے علاقوں میں خونریز جنگیں جاری رہیں۔

جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسا دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔ اُس کی ہلاکت پر فوج میں افراتفری پھیل گئی اور بیشتر سپاہی اپنے اپنے گھروں کو لَوٹ گئے۔ جنگوں کے دوران شاہِ انگلستان اور شاہِ فرانس دونوں بیمار پڑ گئے۔ سلطان صلاح الدین نے اُن کی بیماری کے دوران برف، تازہ پھل اور مفرحِ صحت مشروبات ارسال کیے۔ جب تک وہ بیمار رہے سلطان اُنھیں یہ چیزیں برابر بھیجتا رہا۔

تین سالوں کی مُسلسل جنگوں سے تنگ آکر انگلستان کے شاہ رچرڈ نے سلطان صلاح الدین کے ساتھ صلح کرلی۔ صلح کے بعد ہر دو طرف سے مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا۔ مُعاہدہ کی شرائط کے مطابق مندرجہ ذیل

فیصلے ہوئے :

i۔ بیتُ المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا۔

ii۔ ارسوف، جافہ اور عکہ کے شہر عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔

iii۔ عسقلان کو آزاد تسلیم کیا گیا۔

iv۔ زائرین کو بیت المقدس کی زیارت کے لیے آمد و رفت کی اجازت دی گئی۔

v۔ صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضہ میں رہی۔

چوتھی صلیبی جنگ

صلاح الدین کے بھائی ملک العادل کے ہاتھوں عیسائیوں نے 1195ء میں عبرتناک شکستیں کھائیں اور جافہ کا شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور فریقین میں صلح نامہ پر دستخط ہوئے۔

پانچویں صلیبی جنگ

پوپ انوسینٹ سوئم نے پانچویں صلیبی جنگ کی ابتدا کی۔ یورپ کے بہت سے شہزادے بھی اُس کے ساتھ شامل ہُوئے۔ ایشیا کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اُنھوں نے قسطنطنیہ شہر فتح کرلیا اور اہلِ شہر کا قتلِ عام کر کے بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔

صلیبی جنگوں کا سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔ اِس دوران جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوئم نے صلیبیوں کی رہنمائی کرتے ہوئے شام کے ساحل پر حملہ کیا۔ کامل ایوبی اُس کے مقابلہ سے قاصر تھا اِس لیے اُس نے صلح کرلی اور ایک مُعاہدہ کی رُو سے جافہ، عکرہ اور بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے کردیے۔ اگرچہ اِس معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا تھا لیکن اس کے برعکس عیسائیوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1238ء میں پھر حملہ کردیا۔ اُس وقت سلطان کامل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُس کے جانشین صالح نے عیسائیوں کو شکست دی اور بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

1249ء میں عیسائیوں نے شام پر ایک بار پھر حملہ کیا۔ یہ آخری صلیبی جنگ تھی جس میں عیسائیوں نے بُری طرح شکست کھائی اور شام اور فلسطین سے صلیبیوں کا وجود ختم ہوگیا۔ اِن طویل جنگوں میں عیسائیوں کو تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہُوا۔ اُن کا جنگی جنون سرد پڑ گیا اور صلیبی جنگوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوا۔

صلیبی جنگوں کے نتائج

i۔ صلیبی جنگیں عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے تباہی اور بربادی کا باعث بنیں۔ آبادیاں کھنڈرات

میں تبدیل ہوگئیں۔ لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور اپنے پیچھے یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بھوک اور افلاس چھوڑ گئیں۔

ii- عیسیٰ علیہ السلام امن، سلامتی اور انسانی ہمدردی کے پیغامبر تھے، لیکن اُن کے پیروکاروں نے جنگی جنون سے مغلوب ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ صلیبیوں کی جہالت، رذالت اور اُن کی بدعہدی نے مسلمانوں کو یورپ کے عیسائیوں اور اُن کے مذہب سے سخت متنفر کر دیا۔ متعصب صلیبی طالع آزماؤں کے جنگجویانہ رویہ کی بناء پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں نفرتوں کی ایک ایسی خلیج پیدا ہوئی جو آج تک ہٹ نہیں سکی۔

iii- یورپ نے صلیبی جنگوں کے نتیجہ کے طور پر اسلامی دُنیا سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اُس وقت کا یورپ تنگ نظریوں اور جہالت کا شکار تھا۔ مسلمانوں کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی ترقیوں اور خوبیوں سے متاثر ہو کر عیسائیوں کی ذہنی کیفیت میں انقلاب پیدا ہوا اور یورپ میں احیاء علوم کے لیے فضا سازگار ہوگئی۔

iv- اسلامی دُنیا میں مادی تباہی کے علاوہ بہت زیادہ جانی نقصان بھی ہوا، لیکن اِن کے علمی و ادبی اور تہذیبی و تمدنی فکر نے عیسائیوں سے کوئی اثر قبول نہ کیا، کیونکہ اسلامی ثقافت صدیوں کے ارتقائی منازل طے کر کے قائم ہوئی تھی۔ طویل صلیبی جنگیں ایک سانحہ سے زیادہ اہمیت اختیار نہ کر سکیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے اثرات زائل ہوتے گئے اور مسلمان معمول کے مطابق اپنی علمی، ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لینے لگے۔

v- یورپ میں جاگیرداری نظام قائم تھا۔ اِس سے وہاں کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ زمین کے علاوہ دولت پیدا کرنے والے دیگر ذرائع پر بھی چند لوگوں کا قبضہ تھا۔ اِسلامی ریاستوں کے ساتھ میل جول کے بعد یورپ میں جاگیرداری نظام ختم ہونے لگا اور اس کی جگہ ایک منصفانہ معاشی نظام قائم ہونے لگا۔ اس طرح معاشی اور معاشرتی توازن قائم ہونے سے نئے جدت پسند معاشرے نے جنم لیا۔

vi- تجارت اور صنعت و حرفت میں یورپ والوں نے مشرق کی تقلید شروع کر دی۔ اشیا کے بدلے اشیا کے تبادلے کے ذریعہ خرید و فروخت کی بجائے سکوں کے ذریعے لین دین کا نظام رائج کیا گیا۔ اِس کے علاوہ مکانوں کی تعمیر، لباس اور ہتھیاروں میں مشرقی نمونوں کی تقلید شروع کر دی گئی۔

vii- صلیبی جنگوں نے یورپ کے فنِ تعمیر کو بھی بدل ڈالا۔ وہاں طرزِ تعمیر میں نمایاں تبدیلی آگئی۔ بارہویں صدی کے بعد کی بنی ہوئی عمارتوں میں عربی تمدن کا کافی اثر دیکھا جا سکتا ہے۔

viii- صلیبی جنگوں سے حاصل شدہ تجربات کی روشنی میں تجارت میں توسیع ہوئی اور نئے سمندری راستوں کی تلاش شروع کر دی گئی۔

ix- اہلِ یورپ نے مذہبی طبقہ کی بالادستی سے نجات حاصل کی اور یورپ میں قومی اور آئینی بادشاہتیں قائم ہوئیں۔

بغداد پر حملہ

ذوالحج 656ھ مطابق 1258ء میں ہلاکو خان نے بغداد پر فوج کشی کر دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ آخر کار مستعصم نے مقابلہ بے سود سمجھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو تاتاریوں کے حوالے کر دیا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ اور اُس کے اہلِ خاندان کو ہلاک کر دیا۔ ابنِ علقمی نے اپنے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی ہلاکو خان سے جان بخشی کرا لی تھی۔ تاتاریوں نے جونہی محاصرہ اُٹھایا شہر کے عُلماء، فُقہا، مدرسین اور اعیانِ حکومت کو لے کر وہ ہلاکو خان کے پاس گیا۔ ہلاکو نے سوائے ابنِ علقمی کے تمام کو قتل کرا دیا۔ شہر میں داخل ہو کر اُس نے بُوڑھوں، بچوں، عورتوں اور مردوں کا قتلِ عام کیا اور سارے شہر کو لُوٹ لیا۔ اِس موقع پر اس قدر قتلِ عام ہُوا تھا کہ دریائے دجلہ کا پانی اِنسانی خُون سے سُرخ ہو کر بہتا رہا۔ بغداد جو علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، اب انسانی لاشوں اور ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ ہر طرف تباہی و بربادی کے آثار تھے۔ صدیوں کے علمی و فنی ذخائر جلا دیئے گئے یا دریا بُرد کر دیئے گئے، اور اس طرح تمدنی ترقی کا روشن باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

نتائج

i- بغداد کی تباہی کے ساتھ عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ عباسی خلفاء ویسے بھی برائے نام حاکم تھے، لیکن سیاسی اور مذہبی لحاظ سے ابھی تک اُنھیں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مسلمان حکمرانوں کی اکثریت عباسیوں کی طرف سے سندِ حکومت حاصل کرتی تھی اور اُنھیں رُوحانی پیشوا مانتی تھی۔ چنانچہ عباسی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اسلامی مرکزیت کا خاتمہ بھی ہو گیا۔

ii- بغداد کا شہر جو اپنی عظیم عمارات اور شان و شوکت کی وجہ سے "عروس البلاد" کہلاتا تھا، ملبہ کا

ڈھیر بن گیا۔ لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ بغداد کی عالی شان حیثیت بعد میں بحال نہ ہوسکی اور اس طرح عباسی خلافت کا شاندار دَور ختم ہو گیا۔

iii۔ بغداد علم و اَدب کا مرکز تھا۔ یہاں کے مدارس، یونیورسٹیاں اور لائبریریاں جو غیر ممالک کے طلبہ کے لیے کشش کا باعث تھیں، وحشی تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں اور نوعِ انسانی ایک عظیم علمی سرمائے سے محروم ہو گئی۔ اِس تباہی کے باعث تمام علمی ترقیاں رُک گئیں اور مسلمانوں پر جمود کی کیفیت طاری ہو گئی۔

iv۔ خلافتِ بغداد کے خاتمے کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا قیام عمل میں آیا، لیکن یہ خلافت برائے نام ہی تھی کیونکہ تمام طاقت مملوکوں کے ہاتھ میں تھی جو سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ عباسی خلفاء کی حیثیت اُن کے وظیفہ خواروں کی سی تھی۔

سوالات

i ۔ صلیبی جنگوں کے اسباب اور اہم واقعات بیان کریں۔

ii۔ صلیبی جنگوں کے نتائج بیان کریں۔

iii۔ ہلاکو خان کے بغداد پر حملے کا حال اور نتائج بیان کریں۔

باب پنجم

خلافتِ عباسیہ کے زوال کے اسباب

عباسیوں نے علویوں کو فیاضانہ سلوک سے اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کیں، لیکن وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ منصور کے عہد میں نفسِ ذکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ 169ھ میں حسین بن علی بن حسن نے مکہ کے قریب فسخ میں سر اُٹھایا۔ عوام کی ہمدردی بھی اُن کے ساتھ شامل رہی۔ آخر کار شیعوں نے طبرستان میں زیدیہ کی خود مختار سلطنت قائم کی اور مقتدر کے عہد میں مصر میں دولتِ فاطمیہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ii۔ بنو اُمیہ کی طاقت کا انحصار عربوں پر تھا اور اُن کے دَور میں عربیت کا غلبہ قائم رہا، لیکن عباسیوں نے اپنی تحریک کا آغاز خراسان سے کیا اور ایرانیوں کو اپنا معاون بنایا۔ جب عباسی خلافت کا قیام عمل میں آگیا تو عجمیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر متعین کیا گیا لیکن عجمی وزراء اور جرنیلوں کو ان کی بے لوث خدمات کے باوجود قتل کروا دیا گیا۔

iii۔ عباسی خلفاء کو جب عربوں اور عجمیوں پر اعتماد نہ رہا تو اُنھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ابتدا خلیفہ معتصم نے کی تھی۔ رفتہ رفتہ ترکوں کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی۔ اُس کے جانشینوں نے بھی ترکی اقتدار کو فروغ دیا اس طرح آخر کار ترکوں کا غلبہ اس قدر بڑھ گیا کہ اُنھوں نے بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر لی۔ عباسی خلیفہ متوکل نے ترکوں کے اثر و رسُوخ کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اُن کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال اور خاتمہ میں سب سے بڑا ہاتھ ترک عناصر کا تھا۔

iv۔ ترکوں کے اقتدار سے خلفاء کی شان و شوکت اور وِقار کو نقصان پہنچنے لگا۔ ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے صوبوں کے والیوں نے خلفاء کے خلاف سر اُٹھایا اور خُود مختار ریاستیں قائم کرنا شروع کر دیں۔ عباسی خلفاء میں اتنی سکت نہ تھی کہ ان خود مختار ریاستوں کو مطیع کر سکیں۔ ترک سرداروں کو بھی اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ وہ دار الخلافہ بغداد میں اپنے اقتدار کو کافی سمجھتے تھے۔

ان حالات کو دیکھ کر کئی سرداروں کے دل میں بغداد پر قبضہ کا خیال پیدا ہُوا۔ یعقوب بن لیث صفاری اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جاتا، اگر خلیفہ معتمد کا بھائی موافق اُسے دلیری سے نہ روک دیتا آخر دیلمی بغداد پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں جب وہ کمزور ہو گئے تو سلاجقہ نے اپنا تسلط جما لیا۔ اور خلافت صرف برائے نام رہ گئی۔

v۔ بنو عباس کے ابتدائی دَور کے خلفاء کردار اور سیرت کے لحاظ سے بہت مضبوط تھے۔ اُن کی علم دوستی اور عُلماء پروری ضرب المثل تھی۔ ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی تھی۔ لیکن طرزِ حکومت شخصی اور استبدادی تھا جس میں جمہور (عوام) کو کوئی دُخل نہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ خلفاء میں وہ تمام خامیاں پیدا ہونے لگیں جو شخصی حکومت کا لازمہ ہیں۔ معتصم کے بعد اکثر خلفاء نااہل اور عیش پرست ثابت ہوئے۔ ملک میں خوشحالی تھی، ذرائع آمدن وافر تھے اس لیے تکلفات، شراب نوشی، عیش و نشاط، لہو و لعب جیسے مشغلوں نے اُنھیں امورِ سلطنت سے غافل کر دیا۔ اس سے بدامنی پھیلنی شروع ہو گئی اور اُمراء کو خُود مختاری کی جرأت ہُوئی۔

vi۔ خلافتِ عباسیہ کے آخری دَور میں مسلمانوں میں مذہبی اتحاد مفقود ہو گیا۔ ملتِ اسلامیہ مختلف فرقوں میں بَٹ گئی۔ مذہبی تفرقہ بازی اور تعصب عروج پر تھا۔ شیعہ، سُنّی، حنبلی اور حنفی فسادات بغداد میں روزمرّہ کا معمول بن گئے اور بعض امراء نے خود غرضی اور تعصب کی بنا پر غداری کی۔

vii۔ آخری عباسی خلیفہ مُستعصم باللہ کے وزیر ابنِ علقمی نے ملی غداری کا ثبوت دیتے ہوئے ہلاکو خان کو بغداد پر حملے کی دعوت دی۔ اُس نے تاتاری حملے سے قبل بیشتر عباسی فوج کو برخاست کر دیا۔ اُدھر ہلاکو خان خُود حملے کے حق میں نہیں تھا لیکن اب ابنِ علقمی نے ہلاکو خان کو ترغیب دلائی۔ جب ہلاکو خان نے حملہ کیا تو فتح کی راہیں خُود بخود کھُلی بغداد کی تباہی کے ساتھ ہی بنو عباس کی خلافت کا بھی 1258ء میں خاتمہ ہو گیا۔

سوالات

i۔ بنو عباس کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

ii۔ اہلِ عرب کی اخلاقی پستی کے باعث پہلے خلافت پر ترکوں کا تسلط قائم ہوا اور پھر تاتاریوں نے حملہ کر کے اُسے ختم کر دیا، وضاحت کریں۔

عباسیوں کا نظامِ حکومت

مرکزی نظام

بنو عباس کے برسرِ اقتدار آتے ہی عربوں کے اقتدار کی اجارہ داری ختم ہوگئی ۔ اِسلامی اصولِ مساوات کا دعویٰ کرنے کے باوجود عرب اپنے آپ کو دیگر اقوام سے برتر تصوّر کرتے تھے ، لیکن خُلفائے عباسیہ نے عجمی عناصر کا تعاون حاصل کر کے اور اُنھیں عربوں پر فوقیت دے کر عربوں کے نسبی تفاخر کا خاتمہ کر دیا۔ عباسیوں نے عربی و عجمی کی تفریق کو ہٹا کر عالمِ اسلام پر ایک بہت بڑا احسان کیا اور اِن ہی اقدامات کی بدولت دیگر مسلمان اقوام نے اُنھیں دُنیاوی حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا رُوحانی پیشوا بھی تسلیم کیا۔

رُوحانیت کا یہ لبادہ خاندانِ عباسیہ کے لیے ایک نعمت ثابت ہُوا ، کیونکہ اُن کا سیاسی اقتدار کمزور ہونے کے باوجود بھی اُن کا حقِ خلافت متاثر نہ ہُوا ، اور اُن کی اسی سیاسی قدر و منزلت کی بنا پر کسی اندرونی طاقت نے اُنھیں اِس منصب سے ہٹانے کی کوشش نہ کی۔

اپنی قوّت و جبروت اور شان و شوکت کے اعتبار سے دیلمی ، سلجوقی اور غزنوی حکومتیں بہت بلند مقام رکھتی تھیں اور ہم عصر عباسی خلفاء اُن کے مقابلے میں بہت کمزور تھے۔ مگر رُوحانی تقدّس کی بنا پر اُنھوں نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کی کہ عباسیوں کو تخت سے اُتار کر اپنی خلافت قائم کریں۔ بلکہ اُلٹا وہ ان بے دست و پا اور برائے نام خلفاء سے اپنی حکومت کے جائز اور قانونی ہونے کے لیے پروانے حاصل کرتے رہے۔ ایسی صورتِ حال کا موجود رہنا صِرف رُوحانی احترام کے کرشمے تھے۔

خلیفہ

عباسی حکومت میں خلیفہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ وہ ایک مُطلق العنان حکمران ہُوا کرتا تھا۔ تمام فرامین اور احکامات اُس کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دِہ نہ تھا۔ شرعی حُدود کی پابندی کے علاوہ اُس کے اختیارات لامحدود تھے۔ تمام مُلکی امور کا نظم و نسق چلانے کے لیے مرکزی محکمے موجود تھے۔ خلیفہ ہر صُوبے کے لیے والی اور قاضی مقرر کرتا تھا۔ دُنیاوی بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ امیر المومنین کی حیثیت سے مسلمانوں کا مذہبی اور رُوحانی پیشوا بھی ہوتا تھا۔ عباسیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کی اولاد ہونے کی نسبت سے اپنے آپ کو خلافت کا جائز وارث قرار دیا اور خلیفہ اپنے آپ کو "ظِل اللہ" یعنی خدا کا سایہ سمجھتا تھا۔ اِس رُوحانی تقدّس کی بنا پر خلافت کے آخری زمانہ تک مسلمان حکومتوں کے فرمانروا عباسی حکومت سے پروانۂ حکومت حاصل کرنا ضروری تصوّر کرتے تھے۔

شوریٰ

مجلسِ شوریٰ کا باقاعدہ وجود نہ تھا لیکن وفادار امراء خلیفہ کے مشیر ہوتے تھے۔ اہم امور میں خلیفہ اُن سے مشورہ لیا کرتا۔

دربار

عباسی خلفاء عجمیوں کی امداد و تعاون سے برسرِ اقتدار آئے تھے اس لیے اُن کے عہد میں ایرانی اثر و رسوخ کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ عباسیوں کا دربار شان و شوکت کے لحاظ سے ایرانی روایات کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔ دربار میں پہنے جانے والا لباس سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ خلیفہ خود بھی سیاہ رنگ کا چُغہ پہنتا اور سر پر سیاہ عمامہ باندھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھ کر اور عصائے حکومت ہاتھ میں لیے ہوئے خلیفہ مسندِ خلافت پر بیٹھتا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء، ادباء، شُعراء، کاتب، حفاظ، گویّے، ماہر موسیقار اور دیگر اہلِ فن موجود رہتے۔ شان و شوکت کے لحاظ سے بغداد کا شہر تمام دُنیا میں منفرد حیثیت کا حامل مانا جاتا تھا۔

وزارت

عباسی خلفائے نے امورِ سلطنت کو سرانجام دینے اور اپنی سہولت کے لیے وزارت کا نیا عُہدہ قائم کیا اور اپنے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام اختیارات اُس کے سپرد کر دیے۔ وزیر ایک طرح سے خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔ عُہدے داروں کی تقرری، معزولی، بیت المال کی نگرانی، جاگیروں کی تقسیم وغیرہ سب وزیر کے ذمّے ہوتی تھیں۔ مرکز کے تمام شعبہ جات بھی اُس کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ شعبۂ کتابت براہِ راست اُس کی نگرانی میں کام کرتا تھا۔

حجابت

وزارت سے دُوسرے درجے پر حجابت کا عہدہ ہوتا تھا۔ اِس عہدے پر بھی خلیفہ اپنے مُعتمدِ خاص کو فائز کرتا تھا۔ کوئی شخص حاجب کی اجازت کے بغیر خلیفہ سے نہیں مل سکتا تھا۔ اِس کے علاوہ حاجب کو ایک مشیر کی حیثیت بھی حاصل ہوتی تھی اور خلیفہ تمام مُلکی امور اور مُہمات میں اُس سے مشورہ کرتا تھا۔ بعض اوقات وزارت اور حجابت کے دونوں عہدے ایک ہی شخص کو تفویض ہوتے تھے۔ عُمالِ حکومت اور سفیروں کو بھی حاجب ہی خلیفہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ حاجب عام طور پر خلیفہ کا بہت زیادہ قابلِ اعتماد شخص ہوتا تھا۔

مرکزی شعبے

بنو اُمیہ کے عہدِ خلافت میں حکومت کا انتظام چلانے کے لیے پانچ مرکزی محکمے تھے۔ بنو عباس نے وہ پانچ محکمے برقرار رکھے، البتہ عباسیوں نے چند اور محکمے قائم کر کے نظام کو وُسعت دی۔ اس عہد کے مشہور شعبے مندرجہ ذیل تھے:

i- دیوان الخراج

یہ شعبہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قائم ہُوا۔ اس کی حیثیت محکمہ خزانہ کی تھی۔

اِس محکمے کے ذِمّے بیت المال کے محاصل مثلاً خراج، زکوٰۃ، جزیہ و عُشر اور دیگر ٹیکسوں کا حساب رکھنا تھا۔ حکومت کی آمدن و خرچ کا حساب رکھنا بھی دیوان الخراج کی ذمہ داری تھی۔

ii۔ دیوان الرسائل

خلیفہ کے فرامین جاری کرنا اور صوبائی عاملوں کو احکام بھیجنے کا فریضہ اسی شعبے کے ذمّے تھا۔ دربار میں جو درخواستیں اور عرضداشتیں خلیفہ کے سامنے پیش ہوتیں اور جو احکام ان پر صادر ہوتے، کاتب اُن پر مُہر لگا کر متعلقہ محکمہ کو بھیج دیتا تھا۔ اس محکمہ میں متعدد خوشنویس، کاتب اور انشا پرداز ملازم تھے۔ اہم مواقع پر فرمان کو تحریر میں لانے اور حکم جاری کرنے کے لیے کاتب خلیفہ کے ساتھ رہتا۔

iii۔ دیوان الجند

اس کی اِبتداء بھی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ہُوئی۔ اس محکمہ کا کام فوج کے لیے بھرتی، سپاہیوں کی تنخواہوں اور وظائف کی تقسیم تھی۔ یہ نہایت اہم شعبہ تھا۔ اِس محکمہ کی نگرانی خلیفہ خُود یا اُس کا وزیر کیا کرتا تھا۔ اِس محکمہ کی سابقہ خامیوں کو دُور کر کے عباسی عہد میں اس میں بہت سی اصلاحات کی گئیں۔

iv۔ دیوان البرید

یہ ڈاک کا محکمہ تھا۔ اس کی اِبتداء امیر معاویہ کے عہد میں ہُوئی۔ اس محکمہ کے سربراہ کو صاحب البرید کہا جاتا تھا۔ ملک کے لیے جاسوسی کرنے کا نظام بھی اِس محکمہ کے سپرد تھا۔ پیغام رسانی کی ترسیل کے لیے گھوڑے، خچر اور کبوتر استعمال کیے جاتے تھے۔ سرکاری ڈاک کے علاوہ یہ محکمہ عوام کے خطوط بھیجنے کا کام بھی سرانجام دیتا تھا۔

v۔ دیوان الخاتم

یہ محکمہ سرکاری خط و کتابت کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ جو فرامین و احکام دوسرے محکموں کو جاری کیے جاتے، اُن کی نقول تیار کر کے مُہر لگا کر ایک ایک نقل ریکارڈ میں محفوظ رکھی جاتی۔ یہ محکمہ بھی امیر معاویہ کے عہد میں قائم ہوا تھا۔

vi۔ دیوان القضاۃ

یہ محکمۂ انصاف تھا۔ اس محکمہ کا سربراہ قاضی القضاۃ کہلاتا تھا جس کا تقرر خلیفہ خُود کرتا تھا۔ صُوبوں میں محکمہ ہائے عدل قائم تھے، جہاں قاضی شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلے صادر کرتے۔ صوبائی قاضیوں کا تقرر قاضی القضاۃ کیا کرتا تھا۔

vii۔ دیوان الاحداث

یہ پولیس کا محکمہ تھا۔ اِس کے سربراہ کو صاحب الشرطہ کہا جاتا تھا۔ یہ محکمہ مُلکی امن و امان کا ذمہ دار تھا۔

صوبائی نظام

وِلایتوں کی حکومت والیوں (گورنروں) کے ماتحت ہوتی تھی جنھیں خلیفہ

خُود مقرر کیا کرتا تھا۔ البتہ اپنے ماتحت عملے کا تقرر والی خود کیا کرتا تھا۔ ولایتوں کے محکموں کی تقسیم ویسی ہی تھی جیسے بنواُمیہ کے نظامِ حکومت میں تھی۔

پہلے آٹھ خلفائے کی پالیسی یہ تھی کہ کسی والی کو زیادہ عرصہ تک ایک ہی ولایت میں نہ رکھا جائے تاکہ وہ وہاں کہیں مُستقل حاکم نہ بن بیٹھے، اِس لیے اُنھیں اکثر تبدیل کیا جاتا تھا۔ لیکن بعد کے خلفائے کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اکثر والی اپنی ماتحت ولایت پر مستقلاً قابض ہو گئے اور خلیفہ کا اِن کے ولایتی اُمور میں کوئی دخل نہ رہا۔ خلیفہ کا نام صرف خطبوں میں لیا جاتا اور ہر سال خراج کی ایک معمولی سی رقم بھیج کر یہ والی دارالخلافے سے عملاً لاتعلق ہو جاتے۔ عباسی خلفائے نے ولایتوں کی سرحدوں میں ردّوبدل کر کے کئی نئی ولایتیں بنائیں۔

ولایتی محکمے

تمام بڑے بڑے مرکزی محکموں کی شاخیں ولایتوں میں قائم تھیں۔ مشہور محکمے دیوان الخراج، دیوان الرسائل اور دیوان البرید تھے۔ والی کی مدد کے لیے صاحب الشرطہ، صاحب البرید، قاضی اور ولایت کے دیگر ذمّے دار حُکّام ہوتے تھے۔

معاشی نظام و ذرائع آمدن

عباسی عہدِ حکومت کے ذرائع آمدنی قریباً وہی تھے جو بنواُمیہ کے عہدِ حکومت میں تھے جیسے زکوٰۃ، عُشر، جزیہ، خراج، خُمس، غنایم، صدقات، تحفے وتحائف وغیرہ۔ بیت المال عوام کی ملکیت کی بجائے خلیفہ کا ذاتی خزانہ تصور ہوتا تھا۔ ملک میں کئی غیر شرعی ٹیکس نافذ تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اِن ٹیکسوں کی نشاندہی کی اور مشورہ دیا کہ اسلامی حکومت میں خلافِ شرع محاصل ختم کر دیئے جائیں۔ عباسی دَورِ حکومت میں نومسلموں سے جزیہ کی وصولی بند کر دی گئی۔ ملک کا نظامِ معیشت مستحکم بُنیادوں پر قائم ہونے کی وجہ سے تمام مرکزی اور ولایتی اخراجات مہیا کرنے کے بعد 40 سے 50 کروڑ درہم سالانہ تک بچت ہوتی تھی۔

اِنصاف

عباسی عہد میں عدل و انصاف کا مکمل انتظام قائم تھا۔ غیر مسلموں کے مقدمات اُن کے اپنے مذہبی پیشوا سُنتے اور اُن کا فیصلہ کرتے، لیکن یہ رعایت صرف دیوانی مقدمات میں تھی۔ فوجداری مقدمات کی صُورت میں مذہب و ملّت کی کوئی تخصیص نہیں تھی اور ہر شخص کو حکومت کے مقرر کیے ہوئے مُنصفوں کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا۔

مسلمانوں کے مقدمے قاضیوں کی عدالتوں میں سُنے جاتے اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق اُن کے فیصلے کیے جاتے۔ امیر و غریب سب ان احکام کی تعمیل کرتے کیونکہ قانون کی نظر میں سب برابر

تصور ہوتے۔

ہر شہر میں قاضی ہوتا جو اپنے ملحقہ قصبوں اور دیہات میں نائب قاضی مقرر کرتا۔ اِن نائبین کو عادل کے نام سے جانا جاتا تھا۔

بغداد کا قاضی، قاضی القضاۃ کہلاتا تھا۔ اُس کی حیثیت موجودہ زمانے کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی ہوتی تھی۔ اُس کے رُعب و داب اور عزت و مرتبہ کا یہ عالم تھا کہ امراء اور وزراء بلکہ خلیفہ تک کی یہ جرأت نہ ہوتی کہ اُس کے فیصلوں سے سرتابی کر سکیں۔

مملکت کی سب سے بڑی عدالت دارالعدل کہلاتی جس کا صدر خود خلیفہ یا قاضی القضاۃ ہوتا تھا۔ وزیر اعظم اور حاجب بھی اُس عدالت کے جج ہوتے۔ ملک کی تمام دیگر عدالتیں دارالعدل کے ماتحت ہوتیں۔ دارالعدل میں صرف ایسے شخص کی شہادت قابلِ قبول ہوتی جس کا موجودہ اور سابقہ چال چلن تمام بُرائیوں سے پاک رہا ہو۔

فوجی نظام

عہدِ عباسیہ میں اسلامی فوج تعداد اور ساز و سامان کے لحاظ سے دنیا کی بہترین فوج شمار ہوتی تھی۔ اُموی لشکر صرف عرب سپاہیوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ دیگر عناصر کو اس میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا مگر عباسیوں نے عربوں کے علاوہ خراسانیوں، ترکوں اور دیگر اقوام کے لوگوں کو بھی فوج میں بھرتی کیا جس کے باعث لشکر کی تعداد میں بہت اضافہ ہُوا اور اس طرح دوسرے ممالک میں مروجہ طریقۂ جنگ سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا۔ تمام فوجیوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جاتا اور اُن کی تنخواہیں بھی یکساں اور معقول ہوتیں۔ اِس اخوت اور مساوات کی بناء پر شام، مصر، افریقہ، عراق اور ایران میں بہت سے لوگوں نے اِسلام قبول کیا اور فوج کی ملازمت اختیار کی۔

سارا اِسلامی لشکر دو قسم کی افواج پر مشتمل تھا:

(ا) باقاعدہ فوج (ب) رضاکار (والنٹیئر) فوج

باقاعدہ فوج تنخواہ دار ہوتی اور سارا سال چھاؤنیوں میں رہتی۔ رضاکار فوج تنخواہ نہیں لیتی تھی بلکہ جہاد کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے یہ جنگوں میں حصّہ لیتی۔ لڑائی کے دوران خوراک، وردی، اسلحہ انھیں بھی حکومت ہی فراہم کرتی، البتہ اِس عرصے کے لیے اُن کے بیوی بچوں کا روزینہ مقرر ہو جاتا۔

باضابطہ فوج کے عہدوں کا نظام کم و بیش وہی تھا جو اُموی دَور میں قائم ہُوا تھا۔ دس سپاہیوں کے افسر کو عارف، دس عارفوں کے افسر کو نقیب، اور دس نقیبوں کا افسر قائد کہلاتا تھا۔ دس قائدین

پر ایک سپہ سالار ہوتا تھا۔ اِن سب کا افسرِ اعلیٰ (کمانڈر انچیف) ہوتا تھا۔ فوج پیدل، سوار، تیر اندازوں اور عملۂ منجنیق پر مشتمل تھی۔ فوج کے ساتھ ایک شفاخانہ ہر وقت موجود رہتا۔ زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اُٹھانے کے لیے پالکیاں استعمال ہوتی تھیں۔ یلغار کے وقت فوج کی ترتیب اس طرح کی ہوا کرتی تھی:

سب سے آگے رسالہ کے سپاہی پیش قدمی کرتے چلتے اور اِن کے دائیں بائیں دونوں جانب خُراسانی اور ایرانی گھڑسوار تیر انداز ہوتے تھے۔ یہ تیر انداز اتنی مُستعدی اور مہارت سے تیر چلاتے کہ عین نشانے پر بیٹھتے۔ رسالے کے پیچھے قطار در قطار مزید دستے چلتے۔ اُن کے عقب میں خورد و نوش اور سامانِ حرب سے لدے ہوئے بار برداری کے جانور ہوتے۔ سب سے آخر میں توپ خانہ ہوتا جس میں منجنیقیں اور قلعہ شکن توپیں ہوتیں۔ یہ بڑے بڑے ریڑھوں پر لدی ہوتی تھیں جنھیں اُونٹ کھینچتے چلتے۔

باقاعدہ فوج چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ بصرہ، کوفہ اور واسط مشہور چھاؤنیاں تھیں۔ منصور نے اپنے دَور میں رقہ کے قریب ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا اور وہاں خراسانی سپاہ متعین کیں۔ کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں کی دوبارہ تعمیر کی گئی اور اُنھیں وسیع کیا گیا۔ رُومی سرحدوں پر دفاعی نقطۂ نظر سے پُرانے قلعوں کی مرمّت کروائی اور نئے قلعے بھی تعمیر کروائے۔

باقاعدہ فوج کی تنخواہ سرکاری خزانہ سے دی جاتی، مگر جب عباسی حکومت کمزور ہوگئی اور خزانہ خالی ہوگیا تو بجائے نقد تنخواہ کے زمینیں اور جاگیریں دی جانے لگیں۔ اس پالیسی سے زرعی پیداوار میں کمی ہونے لگی اور ملک میں بدنظمی پھیل گئی۔ یہی انتشار بعد میں عباسیوں کے زوال کا باعث بنا۔

بحری فوج

عباسی دَور میں بحری فوج نے رُومیوں کا مقابلہ کر کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ قبرص اور سسلی کے جزائر جو بحیرہ رُوم میں رُومیوں کے مضبوط بحری مراکز تھے، فتح کیے گئے۔ مسلمان جہازرانوں کا طریقۂ جنگ اس طرح تھا کہ جب وہ دشمن کے مقابلے میں اپنے بحری بیڑے کو کمزور پاتے تو دُور سے گولہ باری یا تیر اندازی کرنے کی بجائے اپنے جہازوں کو اُن کے قریب لے جاتے اور دست بدست جنگ شروع کر دیتے۔ اس ترکیب سے وہ بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم بیڑوں کو بھی شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے۔ ابتداء میں مصر و شام کے ساحلی علاقوں کے باشندے بحری فوج میں بھرتی ہوتے، باقی اقوام سمندر کے خوف سے اس طرف متوجہ نہ ہوتی تھیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ خوف کم ہوتا گیا اور تمام علاقوں کے لوگ بحری فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

عہد عباسیہ میں مسلمانوں کی بحریہ آس پاس کے سمندروں پر چھائی ہوئی تھی۔ بحیرہ روم،

بحیرۂ احمر، خلیج فارس اور بحرِ ہند کے پانیوں پر مسلمانوں کے تجارتی بیڑے دن رات رواں دواں رہتے، جس سے عباسی دَور میں تجارت کو بے مثال فروغ حاصل ہُوا اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تجارتی منڈیوں پر مُسلمان چھا گئے۔

محکمہ جاسُوسی

ولایتوں کے والیوں پر نظر رکھنے اور رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے خلفائے عباسیہ نے جاسُوسی کا ایک بڑا منظم اور وسیع شعبہ قائم کر رکھا تھا۔ خفیہ پولیس کے کارکن سوداگروں اور واعظوں کے بھیس میں مملکت کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تھے جس کے باعث معمولی سے معمولی واقع سے بھی خلیفہ باخبر رہتا۔ اگر کہیں ایلچی یا قاصد بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو اِن جاسوسوں میں سے بہترین کارکردگی اور تجربہ رکھنے والوں کو منتخب کر کے بھیج دیا جاتا۔

عباسیوں کے عہد کی مُعاشرتی اور ثقافتی سرگرمیاں

عہدِ عباسیہ میں تمدّنی اور معاشی حالات

عہدِ عباسیہ کی سرحدیں مغرب میں بحرِ اوقیانوس تک اور مشرق میں ہندوستان اور چین تک جا پہنچی تھیں۔ جب عباسی حکومت انحطاط کا شکار ہوئی تو قدرت نے اُسے غیروں کے تسلّط سے بدستور محفوظ رکھا۔ دیلمیوں، سلجوقیوں، اتابکیوں اور فاطمیوں کی صُورت میں مسلم قوتیں وجود میں آئیں جنھوں نے مسلمانوں کے زوال پذیر اقتدار کو سنبھالا دیا اور اسے تازہ خُون دے کر توانا اور مضبُوط بنایا۔ اس طرح اسلامی مملکتوں کی سرحدیں سمٹنے کی بجائے وُسعت پذیر رہیں۔ عباسیوں کے دَور میں تمدّنی اور معاشی اعتبار سے مسلمان ایک نہایت خوشحال اور مضبُوط قوم بن گئی۔ اُن کے پاس زرخیز علاقے اور سرسبز و شاداب وادیاں تھیں۔

تجارت کے تمام برّی اور بحری راستوں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا صنعت و حرفت کے فروغ سے خوش حالی اور فارغ البالی کا دَور دَورہ تھا۔ معاشی اعتبار سے لوگ خود کفیل، مطمئن اور آسُودہ حال تھے۔ خورد و نوش کی اشیاء کی فراوانی کی وجہ سے ان کی قیمتیں ارزاں تھیں۔ ہر چیز اتنی بافراط تھی کہ مُلکی ضروریات پُوری کرنے کے بعد دُوسرے ملکوں کو بھی بھیجی جاتی۔ ملکی مصنوعات اور زرعی پیداوار بھی برآمد کی جاتی۔ سارا ملک تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کا بین الاقوامی مرکز تھا۔

معاشرے کے طبقے

عباسی عہد میں معاشرہ خواص و عوام کے طبقات میں تقسیم تھا۔ خواص میں خلیفہ، اُس کا خاندان، وزراء، اراکینِ سلطنت، درباری

اور فوجی رہنما شامل تھے اور عوامی طبقہ میں زراعت پیشہ، تاجر، ملازمین، فوجی، دُکاندار، غلام، کاریگر، صناع اور مزدور وغیرہ شامل تھے۔ خواص آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے اور خلفاء کا دربار ساسانی اور رُومی شان و شوکت کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ عام عوام بھی خوشحال اور فارغ البال تھے۔ ہر چیز ارزاں اور ہر جگہ دستیاب تھی۔ عوام کا طبقہ بھی دو حصّوں میں تقسیم تھا۔ اُونچے طبقے کے عوام میں علماء، فضلاء، فنکار، بڑے بڑے تاجر، جاگیردار اور پیشہ ور لوگ شامل تھے جب کہ نچلے طبقے میں کسان، چرواہے، مزدور، غلام اور عام دیہاتی شامل تھے۔

غیر مُسلم

غیر مُسلموں کو ذِمی کہا جاتا تھا۔ ان میں عیسائی، یہودی، آتش پرست اور ہندو شامل تھے۔ اِن کو مسلمانوں کے برابر معاشرتی اور سماجی حقوق حاصل تھے اور انھیں مکمل مذہبی آزادی بھی حاصل تھی۔ ان لوگوں نے اپنی قدیم تہذیب اور رسم و رواج کو برقرار رکھا۔ اِن کے لیے سرکاری ملازمت کے دروازے کُھلے تھے اور انھیں اعلیٰ سرکاری عہدے عطا کیے گئے۔ اِن کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک رواداری اور فراخ دلی پر مبنی تھا۔ مامون کا طبیب خاص جبرئیل تھا۔ منصور نے یہودیوں کو محکمہ مال میں بڑے بڑے عہدے دیے تھے۔ بعض خلفاء کے وزیر عیسائی تھے اور انھیں فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔

خلافتِ عباسیہ کے زیر سایہ غیر مُسلم اپنی جان، مال، آبرو، مذہبی عقائد و رُسوم کو مکمل محفوظ سمجھ کر اطمینان اور چین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ غیر مسلموں کو اپنی مذہبی تبلیغ کی مکمل آزادی تھی۔ بغداد کے عیسائیوں کے مشن تبلیغ کے لیے ہندوستان اور چین تک گئے۔

اِن کے درمیان دیوانی مقدمات کے فیصلے ان کے مذہبی اصولوں کے مطابق ان کے اپنے مذہبی پیشوا کیا کرتے۔

لباس

امراء، وزراء اور حُکامِ سلطنت کا لباس حکومتِ وقت کی پسند کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا، لیکن علماء و فقہاء پگڑی اِستعمال کرتے تھے جس کے اُوپر سُنّتِ نبوی کی تقلید میں ایک رُومال پڑا ہوتا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی شلواریں، پاجامے، قمیض، بنیان، صدری، قبا، بالائی چُغہ اور سر کی ٹوپی عباسی شرفاء کا عام لباس تھا۔ جرابیں اور موزے پہننے کا رواج تھا جو ریشم، اُون یا چمڑے سے بنے ہوئے ہوتے۔ مختلف پیشوں کے لوگ مختلف لباس پہنتے جس سے پیشے کی شناخت بھی ہو جاتی تھی۔ عوام النّاس کا لباس پاجامے، قمیض، صدری اور لمبے بالائی چُغے پر مشتمل ہوتا۔ کمر کے گرد پیٹی یا کمر بند باندھتے اور کندھوں پر چادر ڈال لیتے تھے۔ بُوٹ پہننے کے علاوہ عام جُوتوں کا بھی

رواج تھا۔ خلیفہ سیاہ یا ارغوانی رنگ کی لمبی قبا پہنتا۔ کمر کے گرد ایک شال یا سنہری پیٹی باندھتا۔ گلے میں سونے کی جڑاؤ زنجیر ہوتی۔ خاص مواقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصائے مبارک پاس ہوتی تھی۔ عورتوں کے لباس میں کافی تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ اُونچے طبقے کی عورتیں ایک قبا نما جڑاؤ ٹوپی استعمال کرتیں جس کے نیچے ایک جڑاؤ زنجیر ہوتی تھی۔ متوسط درجے کی عورتیں اپنے سروں کو سونے کے زیورات سے آراستہ کرتیں۔ ہاتھوں میں کنگن اور پیروں میں پازیب استعمال کرتیں۔ ایرانی عورتوں کی تقلید میں رُخساروں اور لبوں پر غازے اور شوخ رنگ ملنے کا رواج عام تھا۔

عورتوں کی حالت

عباسی دَور میں عورتوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ مہدی کی ملکہ خیزران، ہارون کی ملکہ زبیدہ، مامون کی بیگم بوران اور مہدی کی بیٹی عالیہ اس دَور کی ممتاز خواتین تھیں۔ یہ سب خواتین علم و فضل اور سیاسیات میں ماہر تھیں اور انھیں امورِ سلطنت میں کافی عمل دخل حاصل تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دی جاتی۔ شوہر کی خدمت، بچّوں کی پرورش اور امورِ خانہ داری ان کے سب سے اہم فرائض ہوتے تھے۔

زراعت

عہدِ عباسیہ میں زراعت کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ دجلہ اور فرات (عراق) کے درمیان نہروں کا جال بچھا ہُوا تھا۔ نہرِ عیسیٰ، نہرِ صرصر، نہر الملک دجلہ اور فرات کے دریاؤں سے نکالی گئی تھیں۔ مہدی نے واسط کے علاقے میں ایک نہر کھُدوائی۔ منصور کے زمانے میں انبار سے بغداد تک ایک نہر لائی گئی۔ دلدلی علاقوں کو خشک کرکے قابلِ کاشت بنانے کا خاص انتظام تھا۔ بعض علاقوں میں باغات اور سبزہ زاروں کی کثرت تھی۔ کسانوں پر معمولی لگان عائد ہوتا۔ سلطنت کے تمام علاقوں میں زراعت کی ترقی کے لیے اقدامات کیے گئے۔ گندم، جو، چاول، گنّا، کھجور اور کپاس کثرت سے پیدا ہوتے تھے۔ نہروں اور آبپاشی کے انتظام کے لیے ایک باقاعدہ شعبہ تھا، جس کا نام دیوان الاقرحہ تھا۔

صنعت و حرفت

عباسی دَور میں صنعت و حرفت نے بھی حیرت انگیز ترقی کی۔ تمام بڑے شہروں میں پارچہ بافی کے کارخانے تھے۔ ان میں کُوفہ، سکندریہ، دمیاط، یمن، شیراز قابلِ ذکر ہیں۔ یمن و شیراز کا ریشمی کپڑا، بصرہ، بغداد اور قیروان کا سُوتی کپڑا مشہور تھا۔ ریشمی کپڑا، ساٹن، اطلس و حریر بہت زیادہ مقدار میں بنتا تھا۔ ایرانی شہروں میں عُمدہ قالین، اُونی و ریشمی چادریں بُنتی تھیں۔ شیراز، بلخ، بخارا، ہرات اور مرو میں اُونی کپڑا تیار ہوتا تھا۔

شیشہ سازی

بغداد شیشہ سازی کے کارخانوں کی وجہ سے مشہور تھا جہاں نفیس و نازک

برتنوں کے علاوہ خوبصورت قندیلیں، جام، صُراحیاں اور پیالے بنائے جاتے تھے۔

لوہے کی صنعت

لوہے کی صنعت کو بھی عباسی عہد میں بہت ترقی نصیب ہوئی۔ کاشغر، فرغانہ، سمرقند، بحرین، عمان، اصفہان، دمشق اور یمن میں لوہا سازی کے کارخانے موجود تھے۔ اصفہان و یمن کی تلواریں، ایران کی برچھیاں اور فرغانہ کے آہنی آلات مشہور تھے۔

تجارت

بنو عباس کے عہد میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ تجارت اور حصولِ علم کے لیے لوگ دُور دراز کے سفر کرتے۔ فارس اور اہواز میں شکر کے کارخانوں سے مُلکی ضروریات پوری کرنے کے بعد یورپ کو بھی شکر برآمد کی جاتی۔ خوزستان سے جَو، گندم، چاول، پھل، اور ماژندران سے پھول، کھانڈ، بلوریں، ظروف، مٹی کے برتن، ریشمی و اُونی کپڑے اور تیل و عطریات دُوسرے ممالک کو روانہ کیے جاتے۔ جڑی بُوٹیاں، صندل کی لکڑی، قیمتی پتھر، جواہرات، بانس، آبنوس اور ہاتھی دانت وغیرہ مجمع الجزائر سے درآمد کیے جاتے۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تمام ممالک سے تجارت ہوتی تھی۔ بصرہ اور بغداد کے تاجر اپنے تجارتی جہازوں کو دُور دراز ملکوں کو بھیجتے اور کروڑوں دینار کماتے۔ مسلمان تاجر مالابار، لنکا، انڈونیشیا، ملایا، ہند چینی اور چین تک جا پہنچتے۔ سمندر کے علاوہ خشکی کے راستے بھی تجارتی کاروانوں کے ذریعے تجارت جاری رہتی۔ مسلمان تاجروں کی اچھی ساکھ ساری دُنیا میں قائم تھی اور وہ دُنیا کی تجارتی منڈیوں پر چھائے ہوئے تھے۔

عہدِ عباسیہ میں علمی، ادبی اور سائنسی سرگرمیاں

عہدِ عباسیہ کی تمام تر عظمت اور سربلندی اُن کی ذہنی اور دماغی تخلیقات کی بدولت ممکن ہوئی جو تاریخ کے اس شاندار دَور میں وجود میں آئیں۔ عباسیوں کے دَور میں تہذیب و تمدن نے بہت ترقی کی۔ یہ ساری علمی و ادبی ترقیاں ایرانی، ہندوستانی اور یونانی علوم کی اشاعت کا نتیجہ تھیں۔ خلفائے بنو عباس نے صاحبِ کمال لوگوں کی سرپرستی کی۔ ابتدائی دَور کے عباسی خلفاء پائے کے عالم و فاضل تھے۔ اُن کی ذاتی مساعی سے یونانی، ایرانی اور سنسکرت کی کتابیں عربی زبان میں مُنتقل ہوئیں اور اس طرح مسلمانوں نے اُن سے فائدہ اُٹھایا۔ یورپ جو آج اپنی تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور سائنسی ترقی پر ناز کرتا ہے، اُس وقت جہالت کی تاریکیوں میں ڈُوبا ہُوا تھا۔ اس علمی تحریک کا آغاز عباسی خلیفہ ہارون نے کیا۔ اُنھوں نے بیت الحکمت کے نام سے ایک عدیم المثال اکیڈیمی قائم کی جہاں اُس زمانے کی مُنتخب کُتب اور قابل ترین

مُترجمین کے علاوہ ہزاروں خوشنویس، مُنشی اور کاتب کام کرتے تھے۔ اِسلامی دَور میں علوم کو دو حصوں یعنی علومِ عقلی اور علومِ نقلی میں تقسیم کیا گیا۔ علومِ عقلی میں فلسفہ و حکمت، منطق، نجوم، طب، کیمیا اور ہیئت شامل تھیں۔ نقلی علوم خود مسلمانوں کے پیدا کردہ تھے۔ ان کی اِبتداء عہدِ اُمیہ میں ہوئی اور عہدِ عباسیہ میں تکمیل کو پہنچی، البتہ عقلی علوم میں مسلمانوں نے غیر اقوام کے علوم سے بھرپور استفادہ کیا۔

بیت الحکمت کا قیام

بیت الحکمت کا قیام خلیفہ ہارون کے عہد میں عمل میں آیا اور مامون نے اُس کو اور وُسعت دی۔ یونان، ایران، ہندوستان سے کُتب منگوا کر اُن کے تراجم عربی زبان میں کروائے۔ اِن کُتب میں علمِ نجوم، طب، ریاضی، فلسفہ اور حکمت کی نادر کُتب تھیں۔ محمد ابن ابراہیم نے علم نجوم کی کتاب سدہانت کا عربی ترجمہ ہندوستان کا اعشاری نظام اور علمِ ہندسہ بھی اِس دَور میں رُوشناس ہُوا۔ ایرانی اثر فارسی ادبیات، شعر و پیش کیا۔ شاعری اور نثر کی ترقی تک محدود رہا۔ سنسکرت زبان سے کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ کیا گیا۔

شامیوں نے یونانی کُتب پہلے شامی زبان اور پھر عربی میں ترجمہ کیں۔ خلیفہ مامون کے زمانہ میں فلسفیانہ اور عقلی علوم نے بہت ترقی کی۔

علمِ طب

عربوں نے یونانی علوم کو ترجمہ و تالیف کے ذریعے یورپ تک پہنچایا۔ علی طبری، محمد بن ذکریا رازی اور بو علی سینا کا شمار اُن فلسفیوں اور حکماء میں ہوتا ہے جنھوں نے لافانی تصانیف کے ذریعے شہرتِ دوام حاصل کی۔ یوحنا بن ماسویہ نے امراضِ چشم پر ایک کتاب " دخل العین " لکھی۔ عربی کی کتاب " فردوس الحکمۃ " طبِ قدیم کی مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اسطرح امام محمد بن ذکریا رازی اسلامی دنیا ہی کے نامور طبیب تھے جنھوں نے طب پر چالیس سے زیادہ کتب تالیف کیں۔ ان میں سے صرف کتاب المنصوری دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ بوعلی سینا نے اپنی غیرفانی تصنیفات " القانون " اور " کتاب الشفا " کے ذریعے طب کو شہرت بخشی۔ یہ کتابیں صدیوں تک یورپ اور ایشیا کی درسگاہوں میں داخلِ نصاب رہیں اور آج بھی ان سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ان کتابوں کے تراجم دُنیا کی متعدد زبانوں میں ہوچکے ہیں اور سائنسدان اور اہلِ علم اِن سے استفادہ کر رہے ہیں۔

فنِ جراحت

مسلمانوں نے طبّ کے ساتھ فنِ جراحت کو بھی ترقی دی۔ ابنِ ماسویہ نے بندر پر عملِ جرّاحی کر کے مُفید معلومات حاصل کیں۔ عبداللطیف مصری نے انسانی ڈھانچہ میں ہڈیوں سے متعلق مفید معلومات مُہیّا کیں اور ان پر اپنی تحقیقات سے متعلق ایک کتاب تحریر کی۔ محمد بن ذکریا رازی نے الکوحل اور ریشم سے زخموں میں ٹانکے لگانے کا طریقہ دریافت کیا اور آلاتِ جراحت

ایجاد کیے۔

کیمیا و دوا سازی

بنو اُمیہ کے دَور میں علم کیمیا کی طرف خالد بن یزید نے توجہ دی اور متعدد رسالے لکھے۔ عہدِ عباسی میں اس فن کو مزید ترقی ملی چنانچہ مُسلمانوں نے الکوحل، گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور بارود اسی عہد میں ایجاد کیے۔ عرق کشی کے طریقے، مرکبات کی تیاری اور کیمیائی تفریق و اضافے کے ذریعے دھاتوں کی تبدیلی کے طریقے بھی اسی دَور میں دریافت ہوئے۔ تاریخ اسلام کا پہلا نامور سائنس دان جابر بن حیان تھا جس نے کیمیاوی تحقیقات میں لازوال شہرت حاصل کی۔ اُس نے معمولی اور کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ جابر بن حیان نے علمِ کیمیا کے موضوع پر بیس کتابیں لکھیں۔ اُس کی ایک تصنیف "نتائج التکمیل" شہرِ آفاق کتاب ہے۔ اس کے تراجم لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور متعدد دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ذکریا رازی اور ابو مُوسیٰ جعفر نے بھی کیمیا کو ترقی دی۔

علم الحیوانات

ابو عثمان نے علم الحیوانات کے بارے میں تحقیقات کیں، اُس نے نسوانی نفسیات اور ارتقاء وغیرہ کے بارے میں بھی بُنیادی معلومات فراہم کیں۔

طبعیات

طبعیات کو بھی عہد تحقیقات کا موضوع بنایا گیا محمد بن ذکریا رازی نے مقناطیس کی قوت کشش کے اسباب پر رسالہ تصنیف کیا۔ قطب نما ایجاد ہوا اور دو قسم کی گھڑیاں، ایک لنگر والی اور دوسری پانی سے چلنے والی، ایجاد کی۔ عناصر اربعہ اور اجرامِ فلکی کی ماہیت معلوم کرنے کے لیے بھی تحقیقات کیں۔

علم نجوم و ہیئت

موسیٰ بن شاکر ہارون کے عہد کا بہت بڑا انجنیئر تھا۔ اُس کے بیٹوں نے مامون کے عہد میں علمِ ہیئت کو خاص مضمون بنایا۔ اُنھوں نے سُورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی کے متعلق حیران کُن انکشافات کیے۔ مامون نے اسد بن علیؒ خالد بن عبدالملک اور یحییٰ بن ابو منصور جیسے ماہرینِ ہیئت کو بُلا کر بطلیموس کے بتائے ہوئے طریقے پر شماسیہ میں دُنیائے اسلام کی پہلی رصد گاہ قائم کرائی جس کے ذریعے سُورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی کے حالات معلوم کیے گئے۔ یحییٰ بن ابو منصور اس کا مہتمم اعلیٰ تھا۔ کُرۂ زمین کا محیط 24 ہزار میل بتایا گیا۔ دسویں صدی میں بغداد مسلمان ہیئت دانوں کی تحقیقات کا مرکز تھا۔ ان میں علی بن الجورا، ابوالحسن الکوہی خاص مقام کے مالک تھے۔ ابوالحسن نے دُوربین ایجاد کی تھی۔ عباسیوں کے آخری دَور میں عبدالرحمٰن صوفی، علی بن یونس، البوریحان، عمر خیام اور نصیر الدین طوسی جیسے باکمال محققین گزرے ہیں۔

علمِ ریاضی

عباسی دَور میں مسلمانوں نے علمِ ریاضی کی طرف خاص توجہ دی اور اس میں نئے تصورات شامل کر کے اس علم کی شکل بدل ڈالی۔ محمد بن مُوسیٰ الخوارزمی مُسلمانوں میں سب سے بڑا ریاضی دان تھا۔ اُس نے ہندوؤں سے ہندسے سیکھے اور اُن کو عربی میں منتقل کیا۔ اُس کی کتاب "الجبر والمقابلہ" سولھویں صدی میں یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب رہی۔ اس کتاب کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ابوالوفا اور عمر خیام بھی عباسی دَور کے نامور ریاضی دان تھے۔

تاریخ

عہدِ عباسیہ میں مؤرخین نے علمِ تاریخ کو جدید سائنسی بُنیادیں فراہم کیں۔ اِس دَور میں بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے۔ ان میں ابنِ سعد، ابنِ اسحاق، ابنِ قتیبہ، بلاذری، طبری، مسعودی، ابنِ اثیر، ابنِ ہشام، ہمدانی، ابنِ خلکان اور البیرونی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ طبری کی کتاب "تاریخ الرُسل والملوک" تخلیقِ آدم سے 915ء تک اِس موضوع پر ایک مفصل کتاب ہے۔ اُن سے منسُوب جو چھوٹی سی کتاب آج کل دستیاب ہے وہ دراصل اُن کی اصلی طویل و ضخیم کتاب کا اختصار ہے۔ طبری کو نئی طرز کا موجد کہا جاتا ہے۔ اس دَور کے باقی تمام مؤرخین نے بھی تاریخ کی کُتب لکھیں۔

جُغرافیہ

عباسی دَور میں مسلمان ساحلِ چین سے بحرِ اوقیانوس اور رُوس سے جنوبی افریقہ تک تجارتی سفر اختیار کرتے تھے۔ اُن کے سفرناموں میں مختلف ممالک کے حالات و کوائف کے تذکرے ہوتے۔ ان میں جغرافیائی معلومات بھی فراہم ہوتی تھیں۔ جغرافیہ کی پہلی کتاب مامون الرشید کے عہد میں خوارزمی نے "صورت الارض" کے نام سے لکھی۔ اس میں دُنیا کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ مُسلمان جغرافیہ دانوں نے جغرافیہ کے اصول و قواعد مرتب کیے۔ ہیئت دانوں اور جغرافیہ دانوں نے زمین کی پیمائش کی اور قُطب نما ایجاد کیا۔ طبعی جغرافیہ کے مسلمان ماہرین نے نقشے بنائے۔ دُنیا کے مختلف ممالک کی آب و ہوا، پیداوار، باشندوں کے معاشرتی اور سماجی حالات قلمبند کیے۔ اس دَور کے جغرافیہ دانوں میں خوارزمی، یعقوبی، ادریسی، مسعودی اور البیرونی بہت مشہور ہیں۔

فلسفہ و علمِ الکلام

اشیا کے حقیقی اسباب کے علم کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔ عربوں نے اس علم کو یونانیوں سے حاصل کیا اور اسے اَوجِ کمال تک پہنچایا۔ مشہور فلسفی فارابی نے افلاطون و ارسطو کے فلسفہ اور اسلامی تصوف میں امتزاج پیدا کیا اور مُعلمِ ثانی کا لقب پایا۔ عباسی خلیفہ مہدی کے دَور میں علم الکلام وجود میں آیا۔ جب یونان کے عقلی علوم کی مسلمانوں میں اشاعت ہوئی تو بعض لوگ شریعتِ اسلامی کو عقل کے میزان میں تولنے لگے۔ یہ لوگ مذہبی قیود کے بندھنوں سے

آزاد ہوکر ہر چیز کو اپنی بحث و نظر کی اماجگاہ بنالتے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی فلسفیانہ تشریح، تعبیر اور فلسفہ کی بُنیاد پران پر لگائے جانے والے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے علم الکلام وجود میں آیا۔ علم الکلام پر عبور رکھنے والوں اور انہی اصولوں کے مطابق معترضین کا جواب دینے والوں کو متکلمین کہا جاتا تھا۔ ابوالحسن اشعری اس علم کے بانی تھے۔ اُنھوں نے مُعتزلی علماء سے اِکتسابِ علم کیا اور پھر انہی کے فلسفہ اور طرزِ استدلال کو ان کے خلاف اسلامی عقائد کے دفاع میں نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ مسلم علماء اور متکلمین میں امام غزالی کا مقام سب سے بلند اور ارفع ہے۔ اُنھوں نے اپنی مُستند کتابوں "تہافتہ الفلاسفہ"، "احیاء العلوم"، "مقاصد الفلاسفہ" اور "الاقتصاد" میں انہی موضوعات پر فاضلانہ بحثیں کیں۔ مسلمان حکماء اور فلاسفہ کی تصانیف نے مشرق و مغرب کے افکار اور نظریات کو متاثر کیا اور آج بھی ان کے نظریات عصرِ حاضر کے فلاسفہ اور حکماء کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

علمِ حدیث

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام حدیث و سُنت ہے۔ قرآن پاک شریعتِ اسلامیہ کا اوّلین منبع و سرچشمہ ہے۔ شرعیہ کا دوسرا اہم ترین ماخذ احادیث سُننِ نبوی ہیں مسلمانوں نے بہت احترام، اہتمام و دلجمعی سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ایک فن کی حیثیت بخشی۔ صحیح احادیث کی تحقیق اور جرح و تعدیل کے لیے مسلمان علمائے نے اسماءالرجال کے نام سے ایک نیا فن ایجاد کیا۔ اس فن کی کسوٹی پر مصنوعی اور وضعی احادیث پرکھ کر علیحدہ کر دی جاتی تھیں۔ تیسری صدی ہجری میں باقاعدہ طور پر تدوینِ حدیث کے سلسلے میں امام محمد بن اسماعیل بخاری کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آپؒ نے سولہ سال تک احادیث جمع کرنے کی خاطر ایران، عراق، شام، حجاز اور مصر کے سفر میں ناقابلِ بیان صعوبتیں برداشت کیں اور چھ لاکھ کے قریب احادیث کا ذخیرہ جمع کیا۔ تحقیق کی کسوٹی پر جانچنے کے بعد صرف سات ہزار دو سو پچھتر احادیث امام موصوف کے معیار پر پُوری اُتر سکیں۔ آپؒ کی کتاب "صحیح بخاری" احادیث پر لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے اہم ہے۔ امام بخاریؒ کے بعد کے محدثین میں امام مُسلمؒ کا درجہ آتا ہے۔ آپؒ کی کتاب "صحیح مُسلم" کہلاتی ہے۔ اِن کے علاوہ احادیث کی چار اور مشہور کُتب بھی ہیں یعنی سُنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سُنن ابنِ ماجہ اور سُنن نسائی۔ علمِ حدیث کی اِن چھ کتابوں کو "صحاحِ ستہ" کہتے ہیں۔ منصور کے عہد میں امام مالکؒ نے حدیث کی مشہور کتاب موطا تصنیف کی۔ اِس کے علاوہ حضرت سُفیان ثوری اور شیخ الحدیث اوزاعی نے بھی کچھ احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔

چار ماخذ ہیں یعنی قرآن ، حدیث یا سنت ، قیاس اور اجماع ۔ ان چاروں کو اصول فقہ کہتے ہیں۔ عباسی دور میں امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمد بن حنبلؒ ،ابو حنیفہؒ ، امام ابو یوسفؒ ، اور امام محمدؒ جیسے اسلامی قانون کے ماہرین نے فقہ اسلامی کی تدوین میں حصہ لیا۔ ان ائمہ کرامؒ نے عباسی دور کے بہت سے غلط عقائد کا بطلان کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے معتزلہ عقائد کو رد کیا اور بلاخوف و تردد اسلامی عقائد کی تشریح کی اور اپنی تالیفات اور تصنیفات میں صحیح اسلامی عقائد بیان کیے۔

فنونِ لطیفہ

عباسی عہد میں فنونِ لطیفہ نے بھی ترقی کی منازل طے کیں۔ عباسی خلفائے نے فنِ تعمیر، مصوری، خطاطی اور موسیقی میں دلچسپی لی اور ماہرین کی سرپرستی کی۔

فنِ تعمیر

تاتاریوں نے بغداد کو اس قدر تاخت وتاراج کیا کہ سارا شہر کھنڈرات کا ایک ڈھیر بن گیا۔ بنو عباس کی تعمیر کی ہوئی عمارتیں مسمار ہوگئیں۔ دریائے دجلہ کے کنارے خلفاء اور امراء کے شاندار محلات اور پُرشکوہ پانچ پانچ اور چھ چھ منزلہ عمارات تھیں۔ سنگِ مرمر کی سیڑھیاں دجلہ کے پانیوں تک اُترتی تھیں۔ تاتاریوں کی تباہ کاریوں سے صرف مدرسہ مُستنصریہ کی عمارت ہی بچ سکی۔ عباسی دَور کی تعمیرات میں ہندی، ایرانی اور شامی اثرات تھے مگر انھوں نے نقل وتقلید کے ساتھ دیدہ زیب اور دل فریب اختراعات بھی کیں۔ ان عمارات میں ستونوں کی خوشنمائی، محرابوں کی خوبصورتی؛ جالیوں کی مینا کاری اور نقش نگاری آج بھی فنِ تعمیر کے نادر نمونے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ عہدِ عباسی کی عمارات اور تعمیرات میں جا بجا بیل بوٹے اور عمدہ و نفیس عبارتیں تحریر ہیں۔ مسجدوں اور محلوں کو خوشنما قندیلوں اور فانوسوں سے آراستہ کیا جاتا۔ خلیفہ منصور نے اپنے عہد میں باب الذہب ، دبتہ الخفرا اور قصر الخلافت تعمیر کروائے۔ خلیفہ معتضد کا دار الشجرہ اور معز الدولہ دیلمی کا المعزیہ اس دَور کی شاندار عمارتیں تھیں؛ خلیفہ معتصم نے ترکوں کے لیے اپنا نیا دار الخلافہ سامرا تعمیر کیا۔ جس میں بہت سی نئی عمارات تعمیر کی گئیں سامرا کی جامع مسجد جسے متوکل نے تعمیر کرایا، ایرانی طرزِ تعمیر کا نادر نمونہ تھی۔

خطّاطی، مصوّری

عباسی عہد میں خطاطی کے فن کو بہت عروج حاصل ہوا۔ خوشنویسوں اور خطاطوں کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ مامون کے عہد میں ریحان اس فن کا مانا ہوا اُستاد تھا۔ اُس نے خطاطی کی ایک طرز ایجاد کی۔ ابنِ بواب "طرزِ محقق"، اور معتصم کے دربار کا یاقوت "طرزِ یاقوتی" کا موجد تھا۔ کتابوں کے صفحات مختلف رنگوں اور آبِ زر سے مزین کیے جاتے تھے۔

مُسلم معاشرے میں مصوری کی زیادہ پذیرائی یا حوصلہ افزائی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اسلام میں مصوری جائز نہیں۔ تاہم اِس فن نے بھی عہدِ عباسی میں قابلِ ذکر ترقی کی۔ امین نے مختلف جانوروں کی شکل کی دو کشتیاں بنوائیں۔ معتصم کے لیے سامرا میں بننے والے شاہی محلات کی دیواروں پر نیم عُریاں اور شکار کے مناظر کی عکاسی کی تصاویر ملتی ہیں۔ اِس طرح تیرھویں صدی عیسوی میں کلیلہ و دمنہ اور مقاماتِ حریری میں بیان کردہ حکایات کی وضاحت تصاویر کے ذریعے کی گئی۔ تاہم سامانِ آرائش پر نقش و نگار کے فن میں مُسلمانوں نے کمال حاصل کیا۔

دیواروں اور چھتوں پر نقش و نگار اور میناکاری کا کام کیا جاتا۔ قالینوں اور ظروف پر طرح طرح کے بیل بُوٹے اور مناظر بنانے کا عام رواج تھا۔

تانبے، مٹی اور پیتل کے برتنوں پر نہایت دیدہ زیب بیل بُوٹے اور مناظر کندہ کیے جاتے۔ رُومالوں اور قیمتی کپڑوں پر خوبصورت تصاویر کاڑھی جاتیں۔ مقریزی نے مصوری کے فن پر ایک کتاب لکھی جس میں تمام مسلمان مصوروں کے حالات درج تھے۔

موسیقی اُموی اور عباسی خُلفاء میں اکثر نے فنِ موسیقی کی سرپرستی کی اور بعض نے ذاتی حیثیت سے فنِ موسیقی میں ناموری بھی پیدا کی۔ عباسی خلفاء میں منصور، ہارون اور مامون نے اس فن کی خُوب سرپرستی کی۔ بڑے بڑے مُمتاز مُغنّی، گویّے اور موسیقاران کے دربار سے منسلک رہے۔ گانے والی کنیزوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ مامون کے عہد میں دو عرب کنیزیں عریب اور بذل فنِ موسیقی میں یکتائے روزگار تھیں۔ بذل نے اس فن پر ایک رسالہ تحریر کیا جس میں سات ہزار نئے گیت تحریر کیے اور عریب نے ایک ہزار راگ اور دُھنیں ایجاد کیں۔ ابراہیم موصلی کا لڑکا اِسحٰق موصلی فنِ موسیقی کا امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ اُس نے بھی کئی نئے راگ اور دُھنیں ایجاد کیں۔ فارابی کی کتاب "الموسیقی الکبیر" نے بے مثال شہرت حاصل کی۔

دین اور شرعی قدغن کی بنا پر مسلمانوں نے دُوسرے علوم و فنون کے برعکس مصوری اور موسیقی میں اپنی صلاحیتوں کو صَرف نہیں کیا۔ تاہم خُلفاء کی سرپرستی کی وجہ سے دیگر علوم و فنون کی طرح فنونِ لطیفہ میں بھی مُسلمانوں نے درجہ کمال تک ترقی کی۔

سوالات

i۔ عباسیوں کے عہد کی مُعاشرتی، معاشی اور ثقافتی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

ii۔ عباسیوں کے عہد کی علمی، ادبی اور سائنسی ترقیوں پر روشنی ڈالیں۔

iii۔ عباسیوں کے دَور میں مُسلمانوں نے طِبّ، جغرافیہ، فلکیات، تاریخ، کیمیا، طبعیات اور ریاضی میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے، اُن کی تفصیل بیان کریں۔

iv۔ عباسیوں کے دَور میں فنونِ لطیفہ میں جو ترقی ہوئی، اُس کا حال بیان کریں۔

تاریخ اسلام

حصہ دوم

ہسپانیہ میں اُموی خلافت

شجرہ امیرانِ بنو اُمیہ اُندلس

ا۔ عبدالرحمٰن الداخل 2۔ ہشام اول 3۔ الحکم اول 4۔ عبدالرحمٰن ثانی
5۔ محمّد اول 6۔المنذر 7۔ عبداللہ
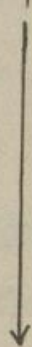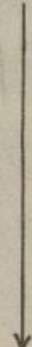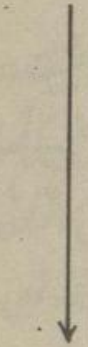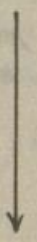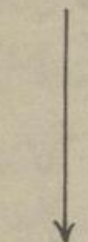
اُموی سلاطین و خلفائے اُندلس کا شجرۂ نسب

نام	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
عبدالرحمٰن الداخل	سنہ 136ھ	سنہ 756ء
ہشام اول (ابوالولید)	سنہ 172ھ	سنہ 788ء
حکم اول (ابوالمظفر المرتضیٰ)	سنہ 185ھ	سنہ 796ء
عبدالرحمٰن ثانی (الاوسط)	سنہ 206ھ	سنہ 822ء
محمد اول	سنہ 238ھ	سنہ 852ء
منذر	سنہ 273ھ	سنہ 886ء
عبداللہ	سنہ 275ھ	سنہ 888ء
عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ	سنہ 300ھ	سنہ 912ء
حکم ثانی (المستنصر باللہ)	سنہ 350ھ	سنہ 961ء
ہشام ثانی (المؤید باللہ)	سنہ 366ھ	سنہ 976ء
محمد ثانی (المہدی)	سنہ 399ھ	سنہ 1009ء
سلیمان (المستعین باللہ)	سنہ 400ھ	سنہ 1009ء
محمد ثانی (بار دیگر)	سنہ 400ھ	سنہ 1010ء
علی بن حمود الناصر (ادریسی)	سنہ 407ھ	سنہ 1016ء
عبدالرحمٰن رابع (المرتضیٰ)	سنہ 408ھ	سنہ 1018ء
قاسم بن حمود (المامون)	سنہ 408ھ	سنہ 1018ء
یحییٰ بن علی بن حمود المستعلی	سنہ 412ھ	سنہ 1021ء
قاسم بن حمود (بار دیگر)	سنہ 413ھ	سنہ 1022ء
عبدالرحمٰن خامس	سنہ 414ھ	سنہ 1023ء
محمد ثالث (المستکفی باللہ)	سنہ 414ھ	سنہ 1024ء
یحییٰ بن علی بن حمود (بار دیگر)	سنہ 416ھ	
ہشام ثالث (المعتد باللہ)	سنہ 418ھ	سنہ 1027ء

محمد
عبدالجبار
ہشام
عبیداللہ
عبدالملک
عبدالرحمٰن
محمد

بحر اوقیانوس

فرانس
قسطیلون
شاطبہ
مرسیہ
غرناطہ
جیان
قرطبہ
البسیط
قلعہ رباح
طلیطلہ
کونکہ
شقوبیہ
شلمنکہ
ماردہ
شنترین
یابرہ
لبلہ
بحر اوقیانوس

باب اول

اُندلس میں آزاد اُموی سلطنت کا قیام

امیر عبدالرحمٰن الداخل

756ء تا 788ء

تعارف

عبدالرحمٰن الداخل اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا عبدالرحمٰن 113ھ میں پیدا ہوا۔ عبدالرحمٰن کا والد جوانی کے عالم میں 21 سال کی عُمر میں انتقال کر گیا۔ اس وقت عبدالرحمٰن کی عُمر صرف پانچ برس تھی۔ اس کا دادا ہشام بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن تھا خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے پوتے کی تعلیم و تربیت کی جانب خصوصی توجہ دی۔ اس کی خواہش تھی کہ عبدالرحمٰن کو اپنا جانشین بنالے، اِس لیے ہشام چاہتا تھا کہ اُس میں ہر قسم کی قابلیت پیدا ہو جائے۔

ابھی عبدالرحمٰن کی عُمر صرف بارہ سال تھی کہ ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بھتیجا ولید بن یزید تخت نشین ہُوا۔ عبدالرحمٰن بچپن ہی سے بُری صحبتوں اور عادات و خصائل سے لاتعلق رہا۔

علومِ مروجہ میں دسترس حاصل کرنے کی جانب اِس نے خصوصی توجہ دی۔ اِبتدائے عُمر سے ہی اِس میں جہانبانی کی خصوصیات موجود تھیں۔ عُلماء اور اُمرائے سلطنت کی صُحبتیں اور تعاون بھی اسے حاصل تھا۔ جوان ہونے پر عبدالرحمٰن نے فنونِ سپہ گری اور جنگی قابلیت میں بھی نام پیدا کیا۔ عیش و عشرت سے اسے نفرت تھی۔ علم کے حصول کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا۔ اراکینِ سلطنت اور عُلمائے دمشق اس کا نہایت احترام کرتے تھے اور اسے خاندانِ بنواُمیہ میں ایک نیک اور باصلاحیت انسان تصور کرتے تھے۔

فرار

132ھ میں جب خلافتِ بنواُمیہ کا خاتمہ ہُوا اور خلافتِ عباسیہ شروع ہوئی تو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی عُمر بیس برس کے قریب تھی اور وہ اِس وقت دریائے فرات کے کنارے اپنی جاگیر میں مقیم تھا۔ عباسی تحریک کی کامیابی کے نتیجہ میں عبداللہ بن علی نے شام

میں بنی اُمیہ کو ختم کرنے کے لیے اِن سے اِبتدا میں نرم سلوک کر کے اعتماد میں لیا۔ بعد میں ایک دعوت کے موقع پر جب وہ کھانے کے لیے بیٹھ گئے تو عبداللہ نے اچانک اپنے سپاہیوں کو اُن پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سوائے عبدالرحمٰن کے سب اُموی شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ عباسی سپاہی اُمویوں کی تلاش میں عبدالرحمٰن کی جاگیر تک جا پہنچے۔ اُس نے جان بچانے کی خاطر دریائے فرات میں چھلانگ لگا دی۔ عبدالرحمٰن دریا عبور کر کے جان بچانے میں کامیاب ہُوا لیکن اِس کے بھائی کو عباسیوں نے پکڑ کر دریا کے کنارے قتل کر دیا۔

عبدالرحمٰن الداخل کی افریقہ میں آمد

عبدالرحمن چھپتے چھپاتے پہلے فلسطین اور بعد میں سوداگروں کا بھیس بدل کر مصر پہنچا اور برقہ کے گورنر ابن الجبیب الفہری سے ملا۔ ابن الجبیب چند روز تک عبدالرحمٰن سے نہایت عزت و احترام سے پیش آیا لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اور اسے یہ بھی علم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عباس سے بھی اقتدار چھیننا چاہتا ہے، تو اس کی نیت میں فتور آیا۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن کو جب صورت حال کا پتہ چلا تو اپنے غلام بدر اور بیٹے کو ساتھ لے کر روپوش ہوگیا۔ وہ پانچ سال تک مختلف قبائل میں پھرتا رہا۔ اس نے سطبہ میں بنی نفوسہ قبیلے کے ہاں پانچ سال تک قیام کیا۔ اسی دوران عبدالرحمٰن کو اندلس کے حالات سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اس نے اندلس کے جنوب میں مقیم شامی افواج سے رابطہ قائم کیا اور اُن کی مدد سے اندلس میں داخل ہُوا۔ شامیوں نے بھی اسے اپنا امیر بنالیا۔

قرطبہ پر عبدالرحمٰن الداخل کا قبضہ

عبدالرحمٰن شامی فوجوں کی مدد سے اشبیلیہ کی جانب بڑھا اور اِسے فتح کر کے قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔

تخت نشینی

عبدالرحمٰن اُموی خاندان کا پہلا شہزادہ تھا جو سرزمینِ اُندلس میں داخل ہوا تھا، اِسی وجہ سے تاریخ میں اسے عبدالرحمٰن الداخل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ 139ھ میں وہ باقاعدہ تخت نشین ہُوا۔ اور اپنے لیے خلیفہ کی بجائے امیر کا لقب اختیار کیا۔ تخت کو برقرار رکھنے کے لیے اِسے اَب بھی بہت سی مشکلات پر قابو پانا تھا۔ عباسی ایجنٹ مقامی لوگوں کو اُس کے خلاف اُکسانے میں مصروف تھے۔ عرب اُمرا اور سرداروں کی باغیانہ سرگرمیاں اِس نوزائیدہ حکومت کے لیے خطرے کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ قبائلی تعصبات اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ اُندلس کے عیسائی اِسلام سے دُشمنی کی بنا پر اِس اِسلامی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔

عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور بھی اس حکومت کے وجود کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ اِن مخالف علاقوں کے علاوہ خود عبدالرحمٰن کے ساتھیوں کی صفوں میں بھی انتشار تھا۔ اُموی خاندان کے افراد نے بھی بار ہا عبدالرحمٰن کے خلاف سازشیں کیں، مگر عبدالرحمٰن نے اپنی فطری، عالی حوصلگی سے کام لیتے ہوئے تمام مشکلات پر قابو پا کر اُندلس میں خاندانِ بنو اُمیہ کی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا۔

عبدالرحمٰن الداخل کے عہد کے اہم واقعات

i۔ یوسف الفہری کا خاتمہ

یوسف الفہری طلیطلہ میں اپنی حکومت کی بحالی کے لیے مختلف قبائل سے گٹھ جوڑ کر کے طاقت جمع کر رہا تھا اور اس لیے اس نے ماروہ پر قبضہ کر کے اشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا۔ عبدالرحمٰن نے پوری تیاری کر کے عبدالملک مروانی کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ یوسف شکست کھا کر مارا گیا۔ اِس کے بعد اِس کے بیٹے ابوالاسود نے طلیطلہ میں عَلَمِ بغاوت بلند کیا، لیکن اُموی افواج نے اُسے شکست دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِس خاندان کی بغاوتوں کو ختم کر دیا۔ طلیطلہ پر 764ء میں عبدالرحمٰن کا قبضہ ہو گیا۔ یوسف الفہری کے مارے جانے کے بعد عبدالرحمٰن کے اہم اور خاص حامیوں میں سے ابوالصباح اور اس کا اپنا غلام بدر بھی اس کے مخالف بن گئے۔ عبدالرحمٰن الداخل نے ابوالصباح کو کاتر میں اپنے محل میں بلا کر قتل کروایا اور بدر کو 773ء میں جلاوطن کر دیا۔

ii۔ عِلاءُ بن مُغیث کی شکست اور خاتمہ

164ھ میں عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے عِلاءُ بن مُغیث والئ قیروان کو اُندلس پر حملہ کرنے کے لیے لکھا۔ چنانچہ خلیفہ بغداد کے حُکم کی تعمیل کے لیے علاءُ بن مُغیث نے ایک بہت بڑی قوت جمع کر کے اُندلس کا رُخ کیا۔ اِس وقت عبدالرحمٰن الداخل طلیطلہ کی بغاوت کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔ جب اسے عِلاءُ بن مُغیث کی تیاریوں کا علم ہُوا تو اُس نے فوری طور پر محاصرہ اُٹھا کر عباسی حملہ روکنے کے لیے اقدامات شروع کر دیے۔ عِلاءُ بن مُغیث اپنے کئی دیگر ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں کام آیا۔ عبدالرحمٰن الداخل کی مختصر فوج کو ایک عظیم فتح حاصل ہوئی۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل نے عِلاءُ بن مُغیث کا سَر کاٹ کر ابوجعفر المنصور کے پاس بھجوا دیا۔ خلیفہ ابوجعفر المنصور امیر عبدالرحمٰن الداخل کے اس عمل سے اِس قدر مرعوب ہُوا کہ اس نے علاءُ بن مُغیث کا سر دیکھ کر بے اختیار کہا کہ شُکر ہے کہ عبدالرحمٰن اور اُس کے درمیان سمندر حائل ہے۔ ابوجعفر المنصور اپنے دورِ خلافت

میں پھر کبھی بھی اُندلس کا رُخ کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔

iii۔ یمنی بغاوتوں کا خاتمہ

عبدالرحمٰن تختِ اُندلس حاصل کرنے میں یمنی قبائل ہی کی حمایت سے کامیاب ہُوا تھا، مگر یمنیوں نے اپنی باغیانہ اور سرکش فطرت کی وجہ سے امیر عبدالرحمٰن الداخل کے خلاف بھی سازشیں کرنا شروع کر دیں اور ابوالصباح کی قیادت میں عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ عبدالرحمٰن نے ابوالصباح کو گفت وشنید کے بہانے بُلوا کر قتل کروا دیا جس کی وجہ سے یمنی اور زیادہ شدّت کے ساتھ مخالفت پر اُتر آئے۔ یمنیوں نے بربروں کو ساتھ مِلا کر دارالخلافہ پر حملہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن الداخل نے بڑی حکمتِ عملی سے بربروں کو اُن سے توڑ کر یمنیوں کو شکست دی۔ اِس کے بعد بھی یمنیوں نے ایک دو بار کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ مضریوں نے بھی امیر عبدالرحمٰن الداخل کے خلاف بغاوت کی۔ لیکن جلد ہی اِن پر قابو پا لیا گیا۔ اس طرح سے امیر عبدالرحمٰن الداخل نے اپنی قوّت سے یمنیوں کو مرعوب کر کے بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا۔

iv۔ عیسائیوں کی سازشیں

عبدالرحمٰن کا تیسرا مخالف گروہ عیسائیوں کا تھا جنھوں نے جبل البرکات میں الیسٹریاس کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی۔ اس کا فرمانروا فرڈیننڈ ایک متعصب عیسائی تھا جس نے عیسائیوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اُس وقت جب عبدالرحمٰن الداخل اُندلس کے ناعاقبت اندیش سرداروں کی بغاوتوں کے کچلنے میں مصروف تھا۔ اس نے اپنی حکومت کی حدود میں پہاڑی علاقوں کو شامل کر کے اسے وسیع کیا اور اپنے زیرِ تسلط علاقوں کو ترقی دینے کے لیے اس نے اور بھی کئی منصوبے شروع کیے جنانچہ جنوبی فرانس میں مسلمانوں نے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا اور اُن پر چالیس سال تک قابض رہے تھے۔ مُسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر فرانسیسیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

v۔ شاہِ فرانس شارلیمان کا حملہ

777ء میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے اُندلس پر حملہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن الداخل کے خلاف یہ ایک خوفناک سازش تھی جس میں الیسٹریاس کے عیسائی حکمران فرڈیننڈ اور اس کے حامیوں کے علاوہ اُندلس کے باغی مسلمان سردار بھی شامل تھے۔ سب سازشیوں نے مل کر فرانس کے بادشاہ کو اُندلس پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اِن مُسلم باغی سرداروں میں ابن الحبیب نے عباسی خلیفہ مہدی کی حمایت کا اعلان کر کے سیاہ عَلم بلند کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن جب شاہِ فرانس شارلیمان اُندلس میں داخل ہُوا تو باغی عرب سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ شارلیمان شمالی علاقوں کو فتح کرتا ہُوا سرقسطہ

تک جا پہنچا جہاں کے لوگوں نے سخت مزاحمت کرتے ہوئے سرقسطہ کے والی حسین بن یحییٰ انصاری کی قیادت میں شاہِ فرانس کو شکست دی۔ اسی دوران فرانس میں سیکسنوں کی بغاوت کی خبر نے شاہِ فرانس کو اور بھی پریشان کر دیا اور اُس نے پسپائی کا اِرادہ کر لیا۔ شارلیمان نے جاتے ہوئے سُلیمان الاعرابی کو گرفتار کر لیا، لیکن سلیمان کے بیٹوں نے اِس کی فوج کے عقب پر حملہ کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لیا۔ ساتھ ہی بسکنس کے لوگوں نے رونسیوال RONEVALL کی تنگ گھاٹی میں اچانک ایسا زبردست حملہ کر دیا کہ فرانسیسی فوج تباہ ہو کر رہ گئی۔ بعد میں عبدالرحمٰن الداخل خود فرانسیسیوں کے تعاقب میں جنوبی فرانس تک گیا اور اُن کے کئی قلعوں کو مسمار کیا۔ آخرکار شاہِ فرانس نے مقابلے کی تاب نہ لا کر عبدالرحمٰن الداخل سے صُلح کر لی۔

عبدالرحمٰن کے اپنے خاندان کے بعض افراد نے بھی اس کے خلاف سازشیں کیں لیکن اُس نے اپنی ہمت اور سختی سے کام لیتے ہوئے اُن پر قابو پا لیا۔

غرضیکہ اُس نے اپنوں اور پرائیوں کی مخالفت کا مقابلہ کر کے سرزمینِ اُندلس میں اموی حکومت کی ایسی مضبوط بنیاد رکھی جو پونے تین سو سال تک اُس کے خاندان میں رہی۔

نظامِ حکومت

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے بنی عباس کا نام خُطبہ سے خارج کر دیا لیکن اپنا نام خطبہ میں شامل نہیں کیا اور ایک آزاد اور خُود مختار حکمران کی حیثیت سے وہ صرف امیر کے لقب پر اکتفا کر کے ملک کا نظم ونسق چلاتا رہا۔ عبدالرحمٰن الداخل نے ملک کو چھ ولایتوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ہر ولایت کا منتظمِ اعلیٰ فوج کا سربراہ بھی ہوتا تھا، جس کی مدد کے لیے دو عامل اور وزراء کی ایک چھ رُکنی کونسل بھی ہوتی تھی۔ ہر ولایت میں دیگر انتظامی عہدوں کے علاوہ قاضی کا عُہدہ بہت اہم تھا۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا قاضی کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ صُوبائی اِنتظامیہ کے تمام ذمہ دار افراد اہم اور ضروری اطلاعات امیر کو صدر دفتر قرطبہ بھجواتے تھے۔ اِس طرح سے تمام صوبائی محکموں پر امیر عبدالرحمٰن کی کڑی نظر رہتی تھی۔

مُطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود اس نے ایک مجلسِ مشاورت قائم کی جو سات ارکان پر مشتمل تھی۔ یہ مجلس اہم اُمورِ سلطنت میں اُسے مشورہ دیتی تھی۔

رفاہی کام

چونکہ عبدالرحمٰن الداخل کو رعایا کی بہبود کا بڑا خیال رہتا تھا اس لیے اس نے ایسے قوانین جاری کیے جن سے رعایا کی خوشحالی میں اضافہ ہُوا۔ عام لوگوں کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ ہمیشہ ملک کے مختلف علاقوں کے دورے کیا

کرتا تھا۔ لوگوں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں شرکت کیا کرتا اور دل کھول کر ہر ضرورت مند کی مدد کرتا تاکہ تمام لوگ اس کی سخاوت اور فیاضی سے مستفید ہوں اس نے مُلک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تاکہ لوگوں کو سفر کی سہولیات حاصل ہوں۔ ڈاک کا موزوں انتظام کیا اور اِس مقصد کے لیے پُورے ملک میں مناسب فاصلوں پر ڈاک چوکیاں قائم کیں جن میں ہر وقت تیز رفتار گھوڑے تیار کھڑے رہتے۔ شاہراہوں کو مسافروں کے لیے محفوظ بنا دیا گیا تھا۔ درہم و دینار کے سِکّے ڈھالنے کے لیے ایک ٹکسال قائم کی جس میں خوبصورت اور معیاری سِکّے ڈھالے جاتے تھے۔ مُلک میں امن و امان قائم کرنے کے بعد اس نے رفاہی کاموں کی جانب خصوصی توجہ دی تھی۔ شہروں کی صفائی اور خوبصورتی پر کافی رقم خرچ کی۔ قرطبہ شہر کے لیے پہاڑوں سے نلوں کے ذریعے صاف پانی کی رُسد کا مناسب انتظام کیا۔ شہر کی حفاظت کے لیے شہر کے گرداگرد ایک مضبُوط فصیل تعمیر کروائی۔ قرطبہ شہر کے باہر اپنے آبائی محل کی طرز پر ایک عالیشان محل اور ایک قلعہ بنوایا۔ اپنے آبائی وطن اور بزرگوں کی یاد میں قرطبہ شہر کے باہر ایک خوشنما باغ بنوایا۔ اِس باغ میں انار، شفتالو اور کھجور جیسے بدیسی پھلوں کے درخت لگوائے۔ اُندلس کی سرزمین ایسے پھل دار پودوں سے پہلے بالکل ناآشنا تھی۔

عبدالرحمٰن الداخل نے اپنی وفات سے دو سال قبل 786ء میں مکّہ مُعظمہ کی مسجد الحرام اور بیت المقدس کی مسجد الاقصیٰ کی طرز پر قرطبہ شہر میں ایک جامع مسجد کی بُنیاد رکھی۔ بعد میں اِس مسجد کی تکمیل و توسیع اس کے جانشینوں نے کی۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل نے دریائے وادیٔ الکبیر پر ایک عظیم الشان پُل بھی تعمیر کروایا۔ کاشتکاری اور زراعت کے لیے آبپاشی کا بہتر انتظام کیا۔ اپنی انتظامی صلاحیتوں اور سیاسی تدبّر کے باعث عبدالرحمٰن الداخل کو عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔

علمی اور اَدبی ترقی

امیر عبدالرحمٰن الداخل کو تعلیم اور علم و اَدب کی اشاعت کا خاص طور پر بڑا شوق تھا۔ عام لوگوں میں علم و اَدب سے لگاؤ اور شوق پیدا کرنے کے لیے اس نے مشاعروں اور مذہبی مناظروں کا باقاعدہ انتظام کیا۔ شعراء اور ادیبوں کو اپنے کلام اور تخلیقات پر انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل بذاتِ خُود اِن تمام علمی مجالس میں شریک ہُوا کرتا۔ دُنیا کے مختلف حصّوں سے علماء و فضلاء کو بُلایا جاتا اور اِن کی خوب عزّت افزائی کی جاتی۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل کے عہد میں اُندلس میں علمی تحقیق کے شعبے کی جانب خصوصی توجہ دی گئی۔ اُندلس میں امیر عبدالرحمٰن الداخل نے جس ذہنی تحریک کی بُنیاد رکھی اس کی بدولت تین صدیوں تک اُندلس عالمی ثقافت کا ایک عظیم مرکز بنا رہا۔

سیرت و کردار

تنتیس (33) سال چار ماہ حکومت کرنے کے بعد امیر عبدالرحمٰن الداخل نے اُنسٹھ برس کی عمر میں ۱۷۲ھ میں وفات پائی۔ مؤرخ ابن الاثیر کے قول کے مطابق امیر عبدالرحمٰن الداخل لمبے قد اور سُنہری بالوں والا خوبصورت اِنسان تھا۔ اس کے جسمانی نقوش سے مردانگی کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ نیک سیرت اور منصف المزاج اِنسان تھا۔ بچپن ہی سے اس کی تربیت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہُوئی تھی۔ اس نے اپنے وقت کے بہترین اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ بحیثیت حکمران عبدالرحمٰن الداخل ایک باوقار اور بہادر حکمران تھا۔ وہ اپنے دُشمنوں پر عُقاب کی طرح جھپٹتا تھا اور سنبھلنے سے پہلے ہی اُنھیں ختم کر دیتا تھا۔ اُندلس میں جس بے سر و سامانی کے عالم میں اس نے تمام مُشکلات پر قابو پا کر ایک عظیم سلطنت کی بُنیاد رکھی وہ اس کی ذہانت، قابلیت اور سیاسی بصیرت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ جنگی قابلیت رکھنے کے باوجود امیر عبدالرحمٰن الداخل ایک بڑا رحم دل انسان بھی تھا۔ اس کی عادات نہایت شُستہ تھیں۔ وہ فصیح اللسان بھی تھا۔ اُمورِ سلطنت میں اُسے کافی تجربہ اور مہارت حاصل تھی۔ عیش و عشرت سے اُسے نفرت تھی۔ علماء کی سر پرستی کرتا تھا۔ متقی اور پرہیزگار اتنا تھا کہ قرطبہ کی جامع مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں وُہ خود عام مزدوروں کی طرح کام کرتا تھا۔ غرض یہ کہ عبدالرحمٰن الداخل ایک مُہم جُو سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم منتظم بھی تھا۔

سوالات

i۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل اُندلس میں آزاد اُموی سلطنت قائم کرنے میں کس طرح کامیاب ہُوا؟ تبصرہ کیجیے۔

ii۔ عبدالرحمٰن الداخل کے عہدِ حکومت کے اہم واقعات قلمبند کیجیے۔

iii۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل کے عہدِ حکومت میں اُندلس میں ہونے والے علمی اور اَدبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالیے۔

iv۔ امیر عبدالرحمٰن امیرانِ اُندلس میں ایک اچھے مُنتظم ہونے اور رفاہی کام کرنے کے ناطے سے شہرت رکھتا تھا، تبصرہ کیجیے۔

v۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل کے سیرت و کردار پر بحیثیتِ انسان، سپہ سالار اور حکمران کے تبصرہ کریں۔

باب دوم

ہشام بن عبدالرحمٰن

788ء تا 796ء

تخت نشینی

امیر عبدالرحمٰن کے اِنتقال پر اُس کی وصیت کے مطابق اُس کا بیٹا ہشام بن عبدالرحمٰن 33 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ پُورے ملک میں اس کے نام کا خُطبہ پڑھا گیا لیکن اس کے چھوٹے بھائی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے ہشام بن عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے قرطبہ کے شاہی محل اور دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ ہشام بن عبدالرحمٰن مریدہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوا۔ معمولی مقابلے کے بعد عبداللہ بن عبدالرحمٰن گرفتار ہُوا اور قرطبہ پر ہشام بن عبدالرحمٰن کا قبضہ ہو گیا۔ پایہ تخت پر قبضہ کر لینے کے بعد ہشام نے ایک بار پھر رسمِ تخت نشینی ادا کی۔ ہشام بن عبدالرحمٰن نے فراخدلی سے کام لیتے ہُوئے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا وزیر مقرر کیا اور اسے ایک بہت بڑی جاگیر بھی عطا کی۔

بغاوتیں

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے مملکت کو اس قدر مستحکم کر دیا تھا کہ کسی کو بھی اُس کی مخالفت کرنے کی جراٴت نہ ہو سکتی تھی، لیکن ہشام بن عبدالرحمٰن کے بھائیوں نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ہشام کی تخت نشینی تسلیم نہیں کی۔ ہشام کا ایک بھائی سلیمان طلیطلہ کا گورنر تھا۔ اُس نے طلیطلہ میں اپنی خود مختاری اور آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس کا دُوسرا بھائی عبداللہ بھی قرطبہ سے فرار ہو کر سلیمان کے پاس جا پہنچا۔ ان کی بغاوت کا علم ہونے کے باوجود ہشام بن عبدالرحمٰن نے درگزر سے کام لیا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھائی خُود بخود راہِ راست پر آجائیں گے۔

سُلیمان اور عبداللہ سے مقابلہ

غالب ثقفی طلیطلہ میں سُلیمان کا وزیر تھا۔ یہ شخص عبدالرحمٰن الداخل کے خاندان کا بڑا وفادار تھا۔ اس نے عبداللہ اور سلیمان کو بغاوت سے باز رکھنا چاہا لیکن اُنھوں نے غالب ثقفی کی نیّت پر شک کرتے ہُوئے اُس کو عُہدۂ وزارت سے ہٹا کر قید میں ڈال دیا۔ غالب ثقفی کی معزولی اور قید کا سُن کر ہشام بن عبدالرحمٰن نے اپنے بھائیوں کو ایک خط لکھا جس میں غالب ثقفی جیسے وفادار شخص سے اس قسم کی بے مروّتی کے سلوک کو ہدفِ تنقید بنایا گیا تھا۔ سُلیمان اور عبداللہ نے خط پڑھنے کے

بعد غالب ثقفی کو بُلا کر ہشام کے سفیر کے سامنے قتل کروا دیا اور سفیر سے کہا کہ جاؤ اس خط کا یہی جواب ہے۔ ہشام بن عبدالرحمٰن کو اِس واقعے کا جب علم ہُوا تو بیس ہزار فوج لے کر طلیطلہ کی جانب روانہ ہُوا۔ سلیمان اور عبداللہ بھی ایک زبردست فوج لے کر طلیطلہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہُوئے۔ طلیطلہ سے تھوڑے فاصلے پر دونوں افواج کے درمیان مقابلہ ہوا۔ سلیمان اور عبداللہ کو شکست ہوگئی اور وہ واپس پلٹ کر طلیطلہ کے قلعے میں محصور ہو گئے۔ اپنے بھائی عبداللہ اور ایک بیٹے کو طلیطلہ کے قلعے میں چھوڑ کر سلیمان فوج کا ایک دستہ لے کر قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہُوا۔ اُس وقت عبدالملک قرطبہ کا گورنر تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سُلیمان کو شکست دے دی۔ شکست کھانے کے بعد سلیمان مُرسیہ کی جانب بھاگ نکلا اور وہاں لُوٹ مار کرنے لگا۔

ہشام بن عبدالرحمٰن کو جب سُلیمان کی ان کارروائیوں کا علم ہُوا تو وہ خُود طلیطلہ کا محاصرہ چھوڑ کر قرطبہ چلا آیا۔ طلیطلہ میں محاصرہ جاری رکھنے کی ذمّہ داری اُس نے اپنے ایک سردار پر چھوڑ دی۔

عبداللہ اور سُلیمان کی معافی

طلیطلہ میں طویل محاصرہ سے عبداللہ جب تنگ آگیا تو اُس نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر ہشام بن عبدالرحمٰن کے سپرد کر دیا۔ امیر ہشام نے عبداللہ کو نہ صرف بخش دیا بلکہ اس کی بڑی پذیرائی بھی کی اور اسے طلیطلہ میں جاگیر عطا کر کے رُخصت کیا۔ سلیمان نے مرسیہ میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اکٹھی کر لی تھی۔ امیر ہشام نے اپنے نوعمر بیٹے حکم کو فوج کا سردار بنا کر اُسے سلیمان کا مقابلہ کے لیے بھیجا۔ دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور سلیمان شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ دو برس تک اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے ہوئے تنگ آگیا اور آخر کار 174ھ میں اُس نے امیر ہشام سے معافی کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور اسے دربار میں نہایت عزت و احترام کا مقام دیا۔ کچھ عرصہ بعد سلیمان نے افریقہ مُنتقل ہو جانے کی درخواست کی۔ امیر ہشام نے اسے بخوشی وہاں جانے کی اجازت دے دی اور اُندلس میں اس کی جاگیر کو ستر ہزار مثقال میں خرید لیا۔ سلیمان افریقہ مُنتقل ہو جانے کے بعد عباسیوں کا ایجنٹ بن گیا اور خط و کتابت کے ذریعے اہلِ اُندلس کو ہشام کے خلاف بغاوت پر اُکساتا رہا۔

جنوبی فرانس پر حملہ

بھائیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد امیر ہشام نے چالیس ہزار فوج کو ترتیب دیا اور فرانس پر حملہ کر دیا۔ تمام جنوبی فرانس اور ناربون کو جو ایک عرصہ تک ولایتِ اربونیہ کے مسلمان والی کا دارالحکومت رہ چکا تھا اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا، پھر سے فتح کر لیا۔ اس فتح کے دوران امیر ہشام کے

ہاتھ کافی مالِ غنیمت آیا۔ واپسی پر الیسٹریاس کی ریاست کے عیسائیوں نے مسلمان فوج کو لُوٹنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے امیر ہشام نے الیسٹریاس کے عیسائیوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھا۔

الیسٹریاس پر حملہ

امیر ہشام نے قرطبہ پہنچ کر 175ھ میں اپنے وزیر یوسف بن بخت کو الیسٹریاس کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یوسف بن بخت نے پہاڑیوں میں آباد ان عیسائیوں پر سخت حملہ کیا اور اُنھیں شکست دے دی۔ اُن کا حاکم برمیوڈو گرفتار ہُوا۔ بعد میں الیسٹریاس کا پہاڑی علاقہ خراج ادا کرنے کی شرط پر دوبارہ عیسائیوں کو واپس دیا گیا۔ اِس کی وجہ یہ بھی تھی کہ الیسٹریاس کا پہاڑی علاقہ مسلمانوں نے اپنی سکونت کے لیے موزوں نہیں سمجھا۔

کارہائے نمایاں

i۔ تعمیرات

امیر ہشام نے مسجدِ قُرطبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جانب خصوصی توجہ دی تھی۔ جنوبی فرانس اور الیسٹریاس پر حملوں کے دوران جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا، اس میں سے پینتالیس ہزار اشرفیاں مسجد قُرطبہ کی تعمیر پر صَرف کیں۔ مسجدِ قُرطبہ کی تعمیر کے علاوہ دریائے وادی الکبیر پر از سرِنو ایک عظیم الشان اور مضبُوط پُل تعمیر کیا۔ امیر ہشام کی تقلید میں امرائے سلطنت نے بھی عظیم الشان عمارات اور محلات تعمیر کیے جس سے قُرطبہ شہر کی خوبصورتی میں بڑا اضافہ ہوا۔

ii۔ اشاعتِ اسلام اور عربیت کا فروغ

امیر ہشام کا سب سے بڑا کارنامہ اُندلس میں عربی زبان کو لازمی قرار دینا ہے۔ عربی کی لازمی تعلیم کی وجہ سے بہت کم عرصہ میں اُندلس کی عیسائی آبادی مُسلمانوں کے افکار اور طرزِ مُعاشرت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگی۔ اس طرح اِسلامی لباس پہننا شروع کیا۔ امیر ہشام کی طرف سے بھی اِسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی جس کی وجہ سے اس کے دَورِ حکومت میں اُندلس میں اِسلامی تہذیب و تمدن کو پروان چڑھنے کا خوب موقع ملا اور اشاعتِ اِسلام کو بہت ترقی ملی۔

iii۔ فِقہ مالکی کا فروغ

امیر ہشام بن عبد الرحمٰن کو حضرت امام مالکؒ سے بہت عقیدت تھی اس لیے اس نے اُندلس میں مالکی مسلک کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ حضرت امام مالکؒ بھی امیر ہشام کی بڑی عزت اور قدر کیا کرتے تھے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ حضرت امام مالکؒ خُود عباسیہ حدودِ سلطنت میں سکونت رکھتے تھے لیکن وہ

عباسی خلفاء کے مقابلہ میں منصب خلافت کے لیے امیر ہشام کو خلیفۃ المسلمین ہونے کا زیادہ حق دار سمجھتے رہے کیونکہ امیر ہشام عباسی خلفاء کے مقابلہ میں نہایت پارسا، متقی، بہادر اور عقلمند شخص تھا۔ چنانچہ امیر ہشام نے نہ صرف فقہ مالکی کو ریاست کے قانون کی بنیاد قرار دیا، بلکہ اُن تمام افراد کے لیے سرکاری خزانہ سے وظائف بھی مقرر کر دیئے جو حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے تھے۔

الحکم الاوّل

180 سنہ ھ تا 206 سنہ ھ

796 سنہ ء تا 822 سنہ ء

تخت نشینی

ہشام بن عبدالرحمٰن کے انتقال کر جانے کے بعد اس کا بیٹا الحکم الاوّل 796 سنہ ء میں اُندلس کا حکمران بنا۔ اگرچہ ہشام بن عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے کی تربیت بھی بڑے اچھے طریقے سے کی تھی لیکن ہشام کے برعکس الحکم الاوّل نہایت سخت گیر اور شان و شوکت کا خواہاں تھا۔

مُشکلات اور بغاوتیں

چونکہ الحکم اوّل کا فقہا سے اختلاف رہا، اس لیے اُنھوں نے اس کے لیے مشکلات پیدا کیں لیکن بعد میں اپنی حکمتِ عملی سے کئی ایک کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ کاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے اس کے عہد میں بغاوتیں بھی ہوئیں لیکن اس نے جلد حالات پر قابو پا لیا تھا۔ الحکم اوّل نے 26 سال تک حکومت کی اور 822ء میں وفات پائی۔

سوالات

i۔ اُندلس میں اسلامی اقتدار کو مضبوط و مستحکم بنانے میں امیر ہشام بن عبدالرحمٰن کے کردار پر بحث کریں۔

ii۔ امیر ہشام بن عبدالرحمٰن کے وہ کارنامے بیان کریں جس سے اُندلس کی اسلامی تاریخ میں اس کا مقام متعین کیا جا سکے۔

iii۔ امیر ہشام بن عبدالرحمٰن کی اسلامی خدمات پر تفصیل سے تبصرہ کریں۔

iv۔ امیر ہشام کے بھائیوں (عبداللہ اور سُلیمان) نے اِس کے لیے کیا کیا مشکلات پیدا کیں؟ نیز امیر ہشام کا اِن کے ساتھ جو رویّہ رہا اس پر تبصرہ کریں۔

v۔ الحکم اوّل کے عہدِ حکومت کا مختصر جائزہ لے کر اسے تحریر کریں۔

باب سوم

عبدالرحمٰن ثانی

206ھ تا 238ھ

822ء تا 852ء

تعارف

امیر عبدالرحمٰن ثانی ماہِ شعبان 176ھ میں بمقام طلیطلہ پیدا ہوا۔ 206ھ میں اپنے والد الحکم اوّل کے انتقال کر جانے کے بعد وہ تخت نشین ہوا۔
عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی نہایت ہی پُر امن ماحول میں ہوئی تھی۔ عبدالرحمٰن ثانی اپنے والد الحکم اوّل کے برعکس علوم و فنون کا دلدادہ تھا۔ اکثر علماء و فضلاء کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔ علم موسیقی سے بھی اسے خاص لگاؤ تھا۔

امیر عبدالرحمٰن کی مشکلات اور بغاوتیں

i۔ نارمن سپاہیوں کی قزاقانہ سرگرمیاں

امیر عبدالرحمٰن ثانی کے دورِ حکومت میں نارمن سپاہیوں نے اُندلس کے ساحلی مقامات پر لُوٹ مار شروع کر دی مگر عبدالرحمٰن ثانی نے ایک منظم بری فوج اور مضبوط بحری بیڑے کی مدد سے نارمن سپاہیوں کی قزاقانہ سرگرمیوں کا خاطر خواہ خاتمہ کر دیا اور سلطنت کے تمام ساحلی علاقوں کے دفاع کو مضبوط و مستحکم بنا دیا۔

ii۔ ریاست الیسٹریاس کا خراج دینے سے انکار

208ھ میں عیسائی ریاست الیسٹریاس نے باج و خراج کی ادائیگی سے انکار کر کے عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ اُنھوں نے مُسلمانوں کے زیرِ تسلط علاقوں میں لُوٹ مار بھی شروع کر دی۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے مشہور سپہ سالار عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو فوج دے کر الیسٹریاس کی باغیانہ سرگرمیاں کُچلنے کے لیے بھیجا۔ عبدالکریم نے جمادی الآخر 208ھ میں عیسائیوں کو پے در پے شکستیں دے کر پہاڑی علاقوں کی طرف بھگا دیا۔ اس کامیابی کے بعد

عبدالکریم بارسلونہ روانہ ہُوا جہاں عیسائی مورچہ بند تھے۔عبدالکریم نے اُن کے تمام سرحدی قلعوں کو مسمار کر دیا اور عیسائی حکمرانوں کو اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا اور عیسائیوں پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ باقاعدگی سے خراج ادا کریں گے۔

iii۔ پُرتگالیوں کی بغاوت

اُندلس کے جنوب مغرب میں عیسائیوں کی اکثریت تھی۔ اِس علاقے کو آج کل پُرتگال کہا جاتا ہے۔ اس علاقے میں واقع شہر مُریدہ والوں کی سربراہی میں بغاوت کا فتنہ پیدا ہُوا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے عبیداللہ بن عبداللہ کو بھیجا گیا۔ سخت معرکہ کے بعد باغیوں کو شکست ہوئی۔ اس بغاوت کا اصل سبب وہ عیسائی پادری تھے جو ایسٹریاس، جلیقیہ اور قسطہ سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

213ھ میں اہلِ مُریدہ نے شہر کے عامل کو نکال کر بغاوت کر دی، چنانچہ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے شہر مریدہ کی فصیل کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ جب شہر کے عامل نے امیر کے حکم کی تعمیل کی تو لوگوں نے ایک مرتبہ پھر بغاوت کر دی۔ عامل کو نکال باہر کر کے ایک بار پھر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے فصیل کو مرمت کر کے شہر کا دفاع مضبوط کر لیا۔ اس بغاوت میں عیسائیوں کے ساتھ بعض مسلم آبادی بھی شامل ہوئی۔ آخر کار 218ھ میں امیر عبدالرحمٰن ثانی نے خود مُریدہ پر حملہ کیا، مگر ابھی شہر کا محاصرہ جاری تھا کہ امیر کو یہ محاصرہ اُٹھا کر فوراً کسی ضرورت سے قرطبہ کی جانب واپس آنا پڑا۔ 220ھ میں پھر خاص اہتمام سے حملہ کیا گیا اور آخر کار سات سال تک ملک اُندلس کے درمیانی علاقہ میں خود مختار رہنے کے بعد یہ شہر مفتوح ہُوا۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی کی جانب سے یہاں عامل مقرر ہوا۔ باغیوں کے لیڈر محمود بن عبدالجبار مُریدہ سے فرار ہو کر سیدھا ریاست ایسٹریاس جا پہنچا جہاں اُسے ایک قلعہ کا قلعہ دار بنا دیا گیا۔ محمود مزید پانچ سال تک وہاں زندہ رہا۔ مُریدہ کی بغاوت میں مُسلمانوں کی شمولیت کی وجہ یہ تھی کہ اکثر مسلمانوں کی بیویاں عیسائی تھیں جنھوں نے اپنے شوہروں کو بغاوت کرنے پر آمادہ کر کے خصوصی کردار ادا کیا تھا۔

iv۔ طلیطلہ میں بغاوت

مُریدہ کی بغاوت کے فرو کرنے میں بہت تاخیر کی وجہ سے شاہی افواج کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس صورتِ حال سے دوسرے علاقے کے باغیوں کی ہمت افزائی ہوئی۔ طلیطلہ میں عیسائی آبادی بہت زیادہ تھی عیسائیوں اور مسلمانوں نے مل کر ہاشم ضراب نامی ایک شخص کی قیادت میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ انھوں

طلیطلہ کے عامل شخص کو شہر سے نکال کر خود اپنی پوزیشن وہاں مضبوط بنالی۔ ریاست گاتھک مارچ اور ارد گرد کے لوگوں نے ہاشم ضراب کو ہر قسم کی امداد پہنچائی۔ موقع پرست لوگ باغی فوج میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ طلیطلہ پہلے ہی سے ایک ناقابلِ تسخیر شہر سمجھا جاتا تھا۔ سامانِ مدافعت اور افواج کی فراہمی سے ہاشم ضراب نے اسے اور زیادہ مضبوط بنا دیا۔ بدلتے حالات کو دیکھ کر امیر کا مقرر کردہ سعدی عامل محمد بن وسیم بھی باغی سردار ہاشم ضراب کے ساتھ مل گیا۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے بھائی اُمیہ کو ایک زبردست فوج دے کر طلیطلہ کی جانب روانہ کیا۔ اُمیہ نے اگرچہ بڑی کوشش کی لیکن اُسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

آخر کار اُمیہ اپنی فوج لے کر واپس ہونے لگا۔ ہاشم ضراب نے طلیطلہ سے نکل کر شاہی فوج کا تعاقب کیا۔ شاہی فوج ایک جگہ کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ جب اہلِ طلیطلہ اُن کی زد میں آ گئے تو اُنھوں نے اُن پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں طلیطلہ والوں کا بڑا نقصان ہُوا مگر وہ بھاگ کر پھر طلیطلہ پہنچ گئے اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اس شہر کے محاصرے کو شاہی فوجیں بار بار بھیجی گئیں مگر یہ شہر فتح نہ ہو سکا۔ ہاشم ضراب نے طلیطلہ سے نکل کر شنت بریہ کو خُوب لُوٹا اور اُس پر قبضہ کر لیا۔ آخر امیر عبدالرحمٰن نے اپنے بھائی ولید کو 222ھ میں ایک زبردست فوج دے کر طلیطلہ کی مُہم پر روانہ کیا۔ ولید نے طلیطلہ کے چاروں طرف فوجیں مُتعین کر کے ہر طرف سے سامانِ رسد کی آمد کو بند کرنے میں مبالغہ سے کام لیا۔ آخر کار 223ھ میں طلیطلہ فتح ہو گیا۔ ہاشم ضراب لڑائی میں مارا گیا۔ محمّد بن وسیم نے باغیوں کی مدد سے طلیطلہ پر ایک مرتبہ پھر قبضہ کیا، لیکن 224ھ میں عبدالرحمٰن ثانی نے خود چالیس ہزار فوج سے طلیطلہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد 225ھ میں عبدالرحمٰن ثانی پیش قدمی کرتے ہوئے ایسٹریاس کی ریاست تک جا پہنچا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ ان جنگوں میں اس کے ہاتھ کافی مالِ غنیمت آیا۔

۷۔ موسیٰ بن موسیٰ کی بغاوت

شمالی سرحد کا محافظ موسیٰ بن موسیٰ عیسائیوں سے جا ملا اور اس نے عبدالرحمٰن ثانی کے خلاف بغاوت کر دی۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے اِس کی سرکوبی کے لیے حرث بن بزیع کو بھیجا جس نے پہلے پہل تو موسیٰ کو شکست دے دی لیکن دونوں افواج کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ آخر کار غرسیہ عیسائی بادشاہ نے موسیٰ کی مدد کی۔ مقامِ البہ پر ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ موسیٰ نے حرث کو گرفتار کر لیا اور اُسے 228ھ میں بادشاہ فرانس کے پاس بھجوا دیا۔

امیر عبدالرحمٰن کو یہ خبر سُن کر سخت صدمہ ہُوا۔ اُس نے اپنے بیٹے محمد کو ایک عظیم لشکر دے کر موسیٰ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ موسیٰ طلیطلہ پر غرسیہ کے تعاون سے قبضہ جما چکا تھا۔ 229ھ میں غرسیہ مقابلہ میں مارا گیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے کو بطور یرغمال محمد کے پاس بھیج کر صلح کر لی۔ موسیٰ کو ہی طلیطلہ کا حاکم رہنے دیا گیا۔

کارنامے

علی بن نافع کی اُندلس میں آمد

علی بن نافع ابراہیم موصلی کا شاگرد تھا۔ الحکم اوّل نے اسے اُندلس میں آنے کی دعوت دی تھی مگر اُندلس میں اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی الحکم انتقال کر چکا تھا۔ 206ھ میں علی بن نافع جب اُندلس پہنچا تو اُس کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ اسے متعدد گھوڑے اور غلام پیش کیے گئے اور وہ امیرِ اُندلس کے مشیروں اور معززین میں شامل ہو گیا۔

علی بن نافع کی معاشرتی اصلاحات

علی بن نافع نے اُندلس میں بڑی اہم معاشرتی اصلاحات نافذ کیں۔ یہ اصلاحات لوگوں میں جلد ہی مقبول ہو گئیں۔ قرطبہ میں آب رسانی کے لیے نلوں کا استعمال متعارف کروایا گیا۔ جلد ہی اُندلس کے دوسرے شہروں میں بھی نلوں کا استعمال شروع ہو گیا۔ اُندلس میں علی بن نافع نے پُرتکلف اور لذیذ کھانوں کے ساتھ ساتھ خوبصورت لباس بھی متعارف کروایا۔ چھُری کانٹوں سے کھانا کھانا بھی علی بن نافع کی ایجاد تھی۔ علی بن نافع کو عبدالرحمٰن ثانی کے فکر و عمل میں بڑا عملی دخل حاصل تھا۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی بھی اس کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اُندلس کے لوگوں نے موسیقی کا شوق بھی اِسی سے حاصل کیا۔ علی بن نافع نے اُندلس پہنچ کر وہاں کے عسکر پیشہ مسلمانوں کو عیش پسند اور نازک مزاج بنانے کی مؤثر کوشش کی۔

اُندلس میں مالکی فقہ کا فروغ

امیر عبدالرحمٰن ثانی نے قاضی یحییٰ کو جو مالکی فقہ کا ماننے والا تھا، اپنا مشیرِ خاص بنایا۔ اسے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کا عُہدہ سنبھالنے کو کہا لیکن اُس نے معذرت کی، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ قاضی القضاۃ کے بھی افسر سمجھے جانے لگے۔ اِس دَور میں مالکی فقہ کے ماننے والوں کو خُوب فروغ حاصل ہُوا۔

رفاہی کام

امیر عبدالرحمٰن ثانی کا زمانہ علوم و فنون کے لیے بڑی شُہرت کا دَور تھا۔ آپ کے زمانے میں تعمیرات کی جانب خصوصی توجہ دی گئی۔ قرطبہ میں تالاب،

چشمے، باغات اور کئی عمارات کی تعمیر عبدالرحمٰن ثانی کی یادگار ہیں۔ اس کے عہدِ حکومت میں رعایا فارغ البال تھی۔ عالی شان محلات کی تعمیر کے علاوہ سڑکیں اور شاہراہیں بنوائی گئیں۔ ڈاک کا بہتر انتظام کیا گیا۔ مساجد، مدرسے اور شفاخانے بکثرت بنائے گئے۔ ملک کے ساحلی دفاعی نظام کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے ایک مضبوط بحری بیڑا تیار کیا گیا۔ عبدالرحمٰن ثانی نے اپنی عسکری صلاحیت بڑھانے کے لیے قرطاجنہ اور قادیس کے مقامات پر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کیے۔ قرطبہ کو اِس قدر ترقی دی کہ یہ شہر بغداد کا ہم پلہ شہر سمجھا جانے لگا۔ دریائے وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر قرطبہ کے مُتصل متعدد باغات لگوائے۔ عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے دَورِ حکومت میں خوبصورت اور پائیدار سِکّے ڈھلنے کا انتظام بھی کیا۔

عِلمی خدمات اور دیگر کارنامے

امیر عبدالرحمٰن ثانی نے یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ علمی مجالس منعقد کرتا رہا اور ان کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی بھی کرتا۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں مُلکی محاصل جو شاہی خزانہ میں داخل ہوتے تھے، دس لاکھ دینار سالانہ تھے۔ کُل آمدنی کے تین حِصّے کیے جاتے تھے۔ ایک حصہ فوج کی تنخواہوں پر صَرف کیا جاتا تھا۔ دُوسرا حصہ حُکام اور عُہدہ دارانِ سلطنت کی تنخواہوں کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ تیسرا حِصہ شاہی خزانہ میں غیر مترقبہ ضرورتوں کے لیے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ خزانے کے اِس حصے سے رفاہِ عامہ اور تعمیرات وغیرہ کے مصارف پُورے کیے جاتے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی نے بعض تجارتی سامان اور دوسری اشیا پر محصول لگا کر آمدنی میں اضافہ کیا تھا اس لیے اس کے دَورِ حکومت میں ملک معاشی لحاظ سے بڑا مضبُوط و مُستحکم تھا۔ اس کے دَورِ حکومت میں عیسائیوں کو بھی سرکاری دفاتر میں تعینات کیا جاتا تھا جب کہ فوجی خدمات صرف مُسلمان بجالاتے تھے۔

وفات

امیر عبدالرحمٰن ثانی تیس سال حکمرانی کرنے کے بعد 852ء میں انتقال کر گیا۔ وہ ایک نہایت دُور اندیش، مُعاملہ فہم اور زیرک حکمران تھا جس نے اپنے دَورِ حکومت میں نظم و ضبط کو برقرار رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ اِس کی رعایا مطمئن اور فارغ البال تھی۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی اہلِ علم کا خُوب قدردان تھا اس لیے اس کا دَورِ حکومت علمی ترقی کے لیے بھی شُہرت رکھتا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن ثانی پر چار افراد کا بہت اثر تھا۔ حکومت کا تمام کاروبار ان افراد کے مشوروں سے چلتا تھا۔ یہ افراد مندرجہ ذیل تھے :

1۔ طروب جو امیر عبدالرحمٰن ثانی کی چہیتی بیوی تھی اور نہایت سازشی عورت تھی۔

ii۔ قاضی یحییٰ   iii۔ ابوالحسن علی بن نافع   iv۔ ہسپانوی نژاد خواجہ سرا نصر

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد کی شاندار تہذیبی روایات اور عربوں کی خوش وصفی کے انداز دیکھ کر یورپ والوں نے بھی اپنے تہذیبی ڈھانچے میں عربوں کا تہذیبی رنگ بھرنا شروع کر دیا۔

امیر عبدالرحمٰن کا ولی عہد

امیر عبدالرحمٰن کو اپنی بیوی طروب سے بے پناہ محبت تھی۔ امیر کا بیٹا عبداللہ طروب کے بطن سے تھا۔ طروب کی خواہش تھی کہ امیر عبدالرحمٰن ثانی اپنا جانشین عبداللہ کو بنائے جب کہ امیر کا دوسرا بیٹا شہزادہ محمدؐ ہر لحاظ سے تخت و تاج کے لیے موزوں وارث تھا۔ طروب نے ایک مرتبہ شہزادہ محمدؐ کو زہر دلوا کر قتل کرنے کا منصوبہ بنوایا۔ اِس مقصد کے لیے خواجہ سرا نصر نے ایک طبیب کو بھاری رقم دے کر راضی کر لیا۔ ان دِنوں شہزادہ محمدؐ اس طبیب کے زیرِ علاج تھا۔ شاہی طبیب نے خواجہ سرا نصر کی فرمائش پوری کرنے کی حامی بھر لی لیکن ساتھ ہی اس سازش کی اطلاع امیر عبدالرحمٰن ثانی کو بھی دے دی اور بتایا کہ آج دوا کا پیالہ زہر آلود ہو گا۔ جیسے ہی خواجہ سرا نصر دوا کا پیالہ لایا، امیر نے حکم دیا کہ آج یہ دوا تم خود پی لو تو خواجہ سرا نصر کو یہ دوا پینی پڑی۔ دوا پیتے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ جو کنواں شہزادہ محمدؐ کے لیے نصر نے کھودا تھا خُود اُس میں جا گرا۔ چند روز کے بعد امیر عبدالرحمٰن ثانی کے انتقال کر جانے پر شاہی محافظ فوج کی مدد سے شہزادہ محمدؐ تخت نشین ہوا اور عبداللہ معہ اپنی والدہ طروب کے ناکام رہا۔

سوالات

i۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی کو تخت نشینی کے بعد کِن کِن مُشکلات اور بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا؟ کس حد تک وہ اِن مشکلات اور بغاوتوں کو فرو کرنے اور اُندلس میں اپنا اقتدار مُستحکم بنانے میں کامیاب ہوا؟ تبصرہ کیجیے۔

ii۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی ایک بیدار مغز اور ہر دلعزیز حکمران تھا۔ اِس کی اصل وجہ اِس کے رفاہی کام اور عملی کارنامے ہیں۔ تبصرہ کیجیے۔

iii۔ امیر عبدالرحمٰن ثانی کا دورِ حکومت شاندار فتوحات کے لیے بھی شُہرت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے رعایا اسے المظفر کے لقب سے بھی یاد کرتی تھی۔ تبصرہ کیجیے۔

iv۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیے:

ا۔ ابوالحسن علی بن نافع   ب۔ قاضی یحییٰ   ج۔ خواجہ سرا نصر

باب چہارم

عبدالرحمٰن ثالث

300ھ تا 350ھ

912ء تا 961ء

تعارف

عبدالرحمٰن ثالث امیر عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کا بیٹا تھا۔ محمد کے قتل ہو جانے کے بعد عبدالرحمٰن کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری امیر عبداللہ نے خود سنبھالی۔ امیر عبداللہ نے اپنے تمام بیٹوں کی موجودگی میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین اس کا پوتا عبدالرحمٰن ہو گا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ثالث اپنے دادا امیر عبداللہ کے انتقال کر جانے کے بعد اکیس سال کی عمر میں یکم ربیع الاول 300ھ کو تخت نشین ہوا۔ جس وقت وہ تخت نشین ہوا اُندلس میں عبدالرحمٰن الداخل کی قائم کردہ ریاست کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو چکی تھی اور عیسائی اِس قابل ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کو اُندلس سے نکال باہر کریں۔ لیکن عبدالرحمٰن ثالث کے تخت نشین ہونے سے اُندلس میں مسلم اقتدار ایک بار پھر مستحکم ہو گیا۔ اس کے بہت سے چچا زندہ تھے۔ اُنھوں نے اُندلس کی زوال پذیر سلطنت کا بادشاہ بن کر اپنے آپ کو خطرات میں مبتلا کرنا مناسب نہ سمجھا، اس لیے سب نے اپنے نوجوان بھتیجے کی بادشاہت تسلیم کرتے ہوئے اُس کے معاون و مددگار بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی کے وقت کوئی فتنہ برپا نہ ہُوا۔

کارنامے اور پالیسیاں

عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کے وقت اُندلس اندرونی و بیرونی خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ خانہ جنگیوں نے حکومت کی طاقت کو کمزور بنا دیا تھا۔ عیسائی ریاستیں باغی ہو چکی تھیں۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے سب سے پہلے داخلی اِنتشار کو ختم کرنے کے اقدامات کیے۔ اِس سلسلہ میں اس نے اپنے دادا امیر عبداللہ کی میانہ روی کی پالیسی کو ترک کر کے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جو سرکش اُمراء فوراً ہتھیار ڈال کر حلف وفاداری اُٹھا لیں گے ان سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اِس

اعلان سے بہت سے عیسائی اور مسلمان قلعہ داروں، رئیسوں اور جاگیرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔

اندرونی جھگڑوں سے فارغ ہو کر امیر عبداللہ ثالث گرد و نواح کی ریاستوں کی جانب متوجہ ہُوا۔ سب سے پہلے اس نے ابنِ حفصون کی جانب توجہ کی۔ ابنِ حفصون نے مالقہ کے علاقہ میں اپنی ایک ریاست قائم کر رکھی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اُس کے خلاف ایک مہم بھجوائی جو کامیاب رہی، مگر عمر بن حفصون خود پہاڑوں میں جا چھپا اور اس طرح اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ مسلمان فوجوں کی واپسی کے بعد ابن حفصون نے پہاڑوں سے نکل کر شاہی علاقہ پر پھر سے دست درازی کرنا شروع کر دی۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے خُود فوج لے کر ایک بار ابن حفصون کا محاصرہ کر لیا۔ ابنِ حفصون نے محصور ہو کر مجبُوراً صُلح کی درخواست کی جو امیر عبدالرحمٰن ثالث نے قبول کر لی۔ اُس کے قلعے چھین لیے گئے اور اِس طرح ایک طاقتور دشمن کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ عیسائی ریاستوں کی جانب متوجہ ہُوا۔

عیسائی حکمرانوں سے مقابلہ

شمال کی عیسائی ریاستیں عبدالرحمٰن ثالث کی داخلی مُشکلات سے فائدہ اُٹھا کر اُس کی قوت ختم کرنے کے درپے تھیں۔ عیسائی حاکموں نے اُندلس کی سرحد کے ساتھ ساتھ مضبوط قلعے بنوا لیے تھے جہاں سے وہ حملے کر کے مُسلم آبادیوں میں لُوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ سنہ 914ء میں لیون کے حکمران آرڈونو نے ماروہ پر حملہ کر کے وہاں قتل و غارت گری مچا دی۔ نوارے کے حاکم نے بھی اِس کا ساتھ دیا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے پہلے اپنے حاجب بدر کو اِن کے خلاف روانہ کیا جس نے عیسائیوں کو شکستیں دے کر پسپا کر دیا۔ پھر سنہ 920ء میں خُود ایک لشکر لے کر نکلا تا کہ عیسائیوں کی مکمل سرکوبی کر سکے۔ سب سے پہلے اُس نے لیون کے حاکم کو شکست دے کر اس کے متعدد قلعے قبضہ کر لیے پھر نوارے کے حاکم سانچو کو بھی نیچا دکھایا۔ عبدالرحمٰن کی واپسی پر دونوں عیسائی حاکموں نے متحد ہو کر شاہی علاقے پر حملہ کر کے دو قلعے قبضہ کر لیے۔ عبدالرحمٰن ثالث ایک بار پھر سنہ 924ء میں لشکر لے کر میدان میں اُترا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث کی آمد کی خبر سُن کر عیسائی بھاگ کھڑے ہُوئے۔ لیون کے حاکم رومیر و نے اہلِ طلیطلہ، ملکہ تھیوڈا اور باغی گورنر محمد بن ہاشم کو ساتھ ملا کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔

مراکش پر قبضہ

امیر عبدالرحمٰن کو جنوب کی جانب سے یہ خوش خبری پہنچی کہ عبیدیین جو مراکش کے خاندانِ ادریسیہ کو مٹا کر تمام ملک مراکش پر قابض ہونا چاہتا تھا کے مقابلے سے قاصر ہو کر ابراہیم بن محمّد ادریسی بجائے اس کے کہ عبیدیین کی اطاعت قبول کرے، امیر عبدالرحمٰن ثالث کی اطاعت اختیار کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس وقت تک قرطبہ کے

دربار کے مراکش سے دوستانہ تعلقات تھے۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے اس اطلاع کو تائید غیبی سمجھ کر فوراً اپنی فوج جہازوں میں سوار کرا کے ساحلِ مراکش پر اُتار دی۔ مراکش اِن دِنوں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ مراکش کے ہر رئیس نے امیر عبدالرحمٰن کی سیادت قبول کر کے اپنے اپنے ایلچی بمعہ تحائف قرطبہ میں بھیجے۔ بعض رؤساء بہ نفسِ نفیس حاضرِ خدمت ہوئے۔ امیر عبدالرحمٰن کی فوجوں نے عبیدیین کی فوجوں کو مار بھگایا، اور اپنی طرف سے قرطبہ دربار کی سندِ امارت جاری کر کے مراکش میں عمال مقرر کر دیئے۔ اس طرح مراکش بھی قرطبہ کا ایک صُوبہ بن گیا۔

خلافت کا لقب اختیار کرنا

بغداد کے عباسی حکمران چونکہ مکہ اور مدینہ کے بھی محافظ تھے، اس لیے اُمت مسلمہ صرف عباسیوں ہی کو خلیفہ کے طور پر تسلیم کرتی تھی۔ خلیفہ ہونے کی صورت میں جمعہ کے خطبہ میں اُس کا نام پڑھا جاتا تھا۔ سکے اُس کے نام سے جاری ہوتے تھے اور خلیفہ کو امیر المومنین کا خطاب دیا جاتا تھا۔ ہسپانیہ میں اقتدار سنبھالنے کے بعد اموی حکمرانوں نے پہلے دو ترجیحی حقوق تو حاصل کر لیے تھے، لیکن انھوں نے خلیفہ یا امیرالمومنین کے خطابات نہیں اپنائے تھے۔ وہ صرف امیر ہی کہلائے جاتے تھے۔

عباسی خلیفہ مقتدر باللہ 320ھ میں قتل ہونے کے بعد مسلم عوام پر عباسیوں کی عظمت کی دھاک اور خوف بھی ختم ہوگیا۔ چونکہ اب خاندان عباسیہ کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، لہذا امیر عبدالرحمن نے خلیفہ اور امیرالمومنین ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ناصر الدین اللہ کا لقب بھی اختیار کیا۔

عبدالرحمٰن ثالث کے کارنامے

اِنتظامِ سلطنت

فوجی کارناموں کے علاوہ امیر عبدالرحمٰن الناصر کا دَورِ حکومت اپنی انتظامی اصلاحات کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔ اُس کا دَورِ اُندلس کی تاریخ میں ایک بہترین دَور سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے اپنے عزم و استقلال، ہمت و جرأت سے تمام داخلی فِتنوں کو ختم کر کے ملک میں نہ صرف امن و امان قائم کر دیا بلکہ مملکتِ اُندلس کو مضبوط و مستحکم بنا دیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں ملک کا کھویا ہُوا وقار بحال ہوگیا۔ فوج کو نئے سِرے سے مُنظم کر کے مملکت کو دفاعی حیثیت سے مضبُوط بنا دیا۔

محکمہ پولیس میں اصلاحات نافذ کر کے تمام شاہراہوں پر پولیس چوکیاں قائم کیں۔ چونکہ امیر عبدالرحمٰن ثالث ایک فلاحی ذہن رکھنے والا حکمران تھا، اِس لیے اس نے اپنی رعایا کی خوشحالی اور بہبود کے

لیے نہریں، پُل اور سڑکیں تعمیر کروائیں۔ سارے ملک میں ایسے ادارے قائم کیے جہاں سے غرباء اور مساکین کو سرکاری امداد دی جاتی تھی۔

علمی اور ادبی خدمات

امیر عبدالرحمٰن ثالث خُود ایک عالم اور علم دوست انسان تھا۔ اُس نے اہلِ علم و دانش کی بھرپور قدر افزائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ بغداد، قسطنطنیہ، قاہرہ، قیروان، دمشق، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، ایران اور خراسان تک سے باکمال لوگ قرطبہ کے دربار کی زینت بننے لگے۔ اِن باکمال لوگوں میں ہر علم و فن اور ہر ملت و مذہب کے لوگ شامل تھے جن کی دربارِ خلافتِ اُندلس سے خاطر خواہ قدر افزائی ہوتی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن ناصر نے قرطبہ اور دوسرے اہم شہروں میں بے شمار مدارس قائم کیے جن میں دُور دراز سے لوگ آکر علم حاصل کرتے تھے۔ اُن کے لیے قیام و طعام کا انتظام سرکاری خزانہ سے ہوتا تھا۔ طلباء کو ان مدارس میں تفسیر، طب، فقہ، احادیث اور علمِ ہیئت کی تعلیم دی جاتی تھی اور اِس مقصد کے لیے اِن علوم کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

تعمیراتی کارنامے

تعمیراتی کارناموں کے لیے امیر عبدالرحمٰن الناصر کو وہی مقام حاصل ہے جو شاہانِ مُغلیہ میں شاہ جہان کو حاصل تھا۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر کا کام امیر عبدالرحمٰن نے شروع کیا تھا۔ اس مسجد کی تکمیل اُس کے بیٹے امیر ہشام اول کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ تاہم ہر فرمانروائے اُندلس نے اِس مسجد کی شان و شوکت اور زیب و زینت مزید بڑھانے میں اپنے طور پر کام کیا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے بھی اس مسجد کی تعمیر و تکمیل میں آج کے زمانے کے مطابق چالیس پچاس لاکھ روپے صَرف کیے۔ امیر عبدالرحمٰن الناصر نے اِس مسجد کے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار جس کی بلندی ایک سو آٹھ فٹ تھی، تیار کروایا۔ اس مینار میں چڑھنے اور اُترنے کے لیے دو زینوں میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ مسجد میں روشنی کا اعلیٰ انتظام کیا گیا تھا۔ اور اس کی خدمت کے لیے تین سو ملازم سرکاری طور پر مقرر تھے۔ امیر عبدالرحمٰن نے اپنی عیسائی بیوی زُہرہ کے لیے ایک عظیم الشان محل قصر الزہرہ تعمیر کروایا جو بعد میں مدینۃ الزہرہ کہلایا جانے لگا۔ اس محل کے احاطے کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور شاندار دروازے تھے۔ اس محل پر آج کے زمانے کے مطابق 20 کروڑ روپے خرچ ہوئے تھے۔ یہ محل چار میل لمبائی اور تین میل چوڑائی کے احاطہ میں واقع تھا۔ اس محل کی تعمیر میں دس ہزار مزدوروں نے دن رات کام کرکے 25 سالوں میں اِس کی تکمیل کی۔ یہ محل اپنی خوبصورتی اور وُسعت کے لحاظ سے فنِ تعمیر

کا ایک شاہکار تھا۔ اِس محل کے انتظام کے لیے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور خدمت کے لیے تیرہ ہزار تین سو اَسی غلام مقرر تھے۔

ایک اندازے کے مطابق امیر عبدالرحمٰن کے عہد میں صرف قرطبہ میں تین سو مسجدیں تعمیر ہُوئیں۔ سو محل اور تین سو حمام بنوائے گئے۔

دیگر رفاہی کام

امیر عبدالرحمٰن النّاصر نے اپنے دَورِ حکومت میں بلدیئے (میونسپلٹیاں) قائم کیے۔ تمام شہروں میں روشنی اور صفائی کے بہترین انتظامات کیے۔ غرضیکہ اس کی سرپرستی میں تہذیب و تمدّن کو خُوب ترقی ہوئی۔ اِس کے زمانے میں تجارت، صنعت و حرفت کو اِس قدر ترقی ہوئی کہ سرکاری محاصل سے آمدنی ایک کروڑ تیس لاکھ دینار تک جا پہنچی۔ اِس نے اپنے زیرِ تسلط علاقوں میں نظامِ آبپاشی کو بہتر بنا کر زراعت کو خُوب ترقی دی۔ کاشتکاروں کی حالت اچھی ہو گئی۔ کاشتکاری کو اِس قدر فروغ حاصل ہُوا کہ حکومت کو محض خراج کی صُورت میں ساڑھے آٹھ کروڑ روپے سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ غرضیکہ امیر عبدالرحمٰن النّاصر نے مملکت کا نظام اِس خوش اسلوبی سے کیا کہ تمام لوگ امن و امان اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اہلِ اُندلس نے افریقہ اور ایشیا کے دُور دراز علاقوں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔

نظم و نسق

امیر عبدالرحمٰن النّاصر نے ایک مضبُوط انتظامی مشینری قائم کی جس کی وجہ سے مملکت پر خلیفہ کی کڑی نگرانی قائم تھی۔ خلیفہ نے شاہی اختیارات اپنے ہاتھ ہی میں رکھے۔ اس نے تمام سرداروں اور اہل کاروں کو اپنے احکامات کا پابند رکھا۔ خلیفہ خُود ہر اہم اور ضروری معاملہ کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے عرب سرداروں اور فقیہوں کی طاقت کو جو حکومت پر حاوی تھے، بتدریج کم کر کے ایسے لوگوں کو جو خلیفہ کے ہمدرد تھے آگے بڑھایا۔

خلیفہ نے اپنے ذاتی غلاموں پر مشتمل ایک حفاظتی دستہ فوج تیار کیا۔ سلطنت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خلیفہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اُندلس میں موجود مسلمانوں کی مختلف جماعتیں جو آپس میں برسرِ پیکار تھیں، انھیں خلیفہ عبدالرحمٰن النّاصر راہِ راست پر لے آیا جس کی وجہ اُندلس میں امن قائم ہوا اور سلطنت ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کی آمدن اس قدر زیادہ تھی کہ تمام عیسائی ریاستوں کی کُل آمدن مِلا کر بھی اِس سے کم تھی۔ خلیفہ عبدالرحمٰن النّاصر کے دَورِ حکومت میں باقاعدہ فوج جنھیں سرکاری خزانہ سے تنخواہ دی جاتی تھی، کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ تمام سپاہیوں کے کوائف ایک رجسٹر میں درج کیے

جاتے تھے۔ خلیفہ کی محافظ فوج 12 ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ تمام جزیرہ نمائے اُندلس میں سڑکوں اور شاہراہوں کا جال بچھا ہُوا تھا۔ جگہ جگہ حفاظتی چوکیاں قائم تھیں اور سپاہی گشت کرتے رہتے تھے۔ ڈاک کا بھی اعلیٰ انتظام تھا۔ ڈاک قاصدوں اور تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعے ایک مقام سے دُوسرے مقام تک پہنچائی جاتی تھی۔

ساحل پر بُرج بنے ہُوئے تھے جن کی مدد سے بحری جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔

وفات امیر عبدالرحمٰن ثالث نے 2 رمضان المبارک 350ھ میں 72 سال اور چند ماہ کی عمر میں وفات پائی۔

سوالات

i۔ اُندلس پر اُموی حُکمرانوں میں عبدالرحمٰن ثالث کا دورِ حکومت اُندلس میں بنواُمیہ کی حُکمرانی کا سُنہری زمانہ کہلاتا ہے۔ تفصیل سے بیان کریں۔

ii۔ عبدالرحمٰن ثالث کے کارنامے بیان کریں۔

iii۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث ایک عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا مُنتظم بھی تھا، بحث کریں۔

iv۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں :

(ا) قرطبہ کی جامع مسجد (ب) قصرِ زُہرہ

v۔ تعمیراتی کارناموں میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث مُغلیہ شہنشاہ شاہ جہان کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔ وضاحت کریں۔

باب پنجم

خلیفہ الحکم ثانی بن عبدالرحمٰن ثالث

350ھ تا 366ھ

961ء تا 976ء

تعارف

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا الحکم 5 رمضان المبارک 350ھ کو 48 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کی رسم نہایت شان و شوکت کے ساتھ قصرِ زہرہ میں انجام پائی۔ اس تقریب میں تمام اُمرائے سلطنت، علماء اور سپہ سالاران فوج نے حصہ لیا اور خلیفہ کی بیعت کی۔ خلیفہ الحکم نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنا لقب مستنصر باللہ اختیار کیا اور جعفر صحفی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔

مُشکلات اور بغاوتیں

i۔ سرحدی عیسائیوں کی بغاوتیں

خلیفہ الحکم ثانی ابتدائے عمر سے ہی علم و ادب سے کافی لگاؤ رکھتا تھا۔ اِسے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ اس کی علمیت مُستند تھی۔ عُلماء، فضلاء اِس کے سامنے علمی تقریر کرتے ہوئے گھبراتے تھے، چنانچہ جب خلیفہ الحکم نے تخت سنبھالا تو سرحدی عیسائی حُکمرانوں نے یہ سمجھا کہ وہ اپنے والد عبدالرحمٰن ثالث کی طرح بہادر اور مُشکلات کا سامنا کرنے والا نہیں ہوگا۔

چنانچہ یہ سرحدی عیسائی حُکمران سرکشی پر اُتر آئے۔ سب سے پہلے قسطلہ کے عیسائی حاکم نے اسلامی سرحدی شہروں پر دست درازی شروع کر دی۔ خلیفہ کو علم ہوا تو اس نے اس بغاوت اور سرکشی کا سدِ باب کرنے کے فوراً احکامات جاری کیے، لیکن ابھی اِن احکامات پر عمل درآمد ہونے نہ پایا تھا کہ قسطلہ کے حاکم نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اپنی تخت نشینی کے پہلے سال قسطلہ کی جانب بذاتِ خود فوج کشی کی اور عیسائیوں کو شکست فاش دی۔ خلیفہ اُن کے علاقے جلیقیہ میں دُور تک جا پہنچا اور عیسائیوں سے اقرارِ اطاعت لے کر واپس لوٹا۔

ii۔ اہلِ جلیقیہ کی باغیانہ سرگرمیوں کا سدِّ باب

خلیفہ الحکم ثانی کو معلوم ہوا کہ جلیقیہ کے سرکش عیسائیوں نے اُس کی تنبیہہ کو کافی نہ سمجھا اور وہ پھر سرکشی پر آمادہ ہیں۔ اِس مرتبہ خلیفہ نے اپنے آزاد کردہ غلام غالبؔ کو سپہ سالار بنا کر اہلِ جلیقیہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اگرچہ اس مقابلہ میں عیسائی افواج کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن غالبؔ نے خُدا پر بھروسہ کر کے عیسائی افواج پر اس شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ وہ مسلمان افواج کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ عیسائیوں کو شکست ہوگئی۔ خلیفہ الحکم ثانی کے سالار غالبؔ نے اِس حملے میں حکومتِ قسطلہ کے ایک بڑے حصے کو تاراج اور ان کے قلعوں کو مسمار کروانے کے بعد قرطبہ کی طرف واپسی کی۔

iii۔ لیون اور بارسلونا کے حُکمرانوں کی سرکوبی

ابھی جلیقیہ کی مُہم ختم نہ ہوئی تھی کہ شانجہ حکمرانِ لیون کی بغاوت کی اطلاع آئی۔ لیون کے حُکمران کی مدد کے لیے نوارے اور سرقسطہ کی عیسائی ریاستوں نے بھی افواج بھجوائیں۔ خلیفہ نے حاکمِ سرقسطہ کو لکھا کہ وہ اِن باغیوں کی سرکوبی کرے۔ چنانچہ حاکمِ سرقسطہ۔ یحییٰ ابن محمد نے عیسائیوں کی اِس بغاوت کو سختی کے ساتھ ختم کر کے رکھ دیا اور کافی مالِ غنیمت اپنے ساتھ قرطبہ لے آیا۔ ابھی وہ قرطبہ میں ہی مقیم تھا کہ حاکمِ بارسلونا کی سرکشی کی اطلاع ملی، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکمِ سرقسطہ بھی بارسلونا کو سامانِ بغاوت مُہیّا کر رہا ہے۔ خلیفہ الحکم ثانی نے یحییٰ ابن محمد کو بارسلونا کی جانب اور اپنے سپہ سالار غالبؔ کو حاکمِ قسطلہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ دونوں افواج کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ عیسائیوں کو شکست ہوئی اور وہ اطاعت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ خلیفہ کی اِن کامیابیوں سے عیسائی حُکمران مرعوب ہو گئے۔

354ھ میں ایک مرتبہ پھر سرحدی عیسائیوں نے بغاوت کی مگر یحییٰ ابن محمد اور قاسم مُطرف نے سب کو سیدھا کر دیا۔ اِسی سال نارمن لوگوں نے جزیرہ نمائے اُندلس کے مغربی ساحل پر حملہ کیا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اپنے امیر البحر عبدالرحمٰن بن رباحس کو حُکم دیا کہ وہ اِن قزاقوں کو بھاگنے نہ دے۔ لیکن الحکم کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نارمن بھاگ چکے تھے۔ اِن کامیابیوں سے عیسائیوں پر واضح ہو گیا کہ خلیفہ الحکم ثانی کسی طور بھی اپنے والد امیر عبدالرحمٰن ثالث سے عزم و استقلال اور قوت و ہمت میں کم نہیں۔

۱۷۔ حاکمِ مراکش کی سرکشی

361ھ میں حاکمِ مراکش حسن نے بربر قبائل کے تعاون سے بغاوت کر کے اپنی آزادی و خودمختاری کا اعلان کیا۔ خلیفہ الحکم ثانی کو پتہ چلا تو لیلیٰ ابن محمد کو اس مہم پر بھیجا گیا۔ حاکمِ مراکش اور لیلیٰ ابن محمد کے درمیان خونریز معرکہ ہوا لیکن لیلیٰ ابن محمد میدانِ جنگ میں مارا گیا اور یہ مُہم ناکام رہی۔ چنانچہ خلیفہ الحکم ثانی نے اپنے آزاد کردہ غلام امیر غالب کو ایک مُہم دے کر مراکش بھیجا۔ حاکمِ مراکش حسن اور امیر غالب کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار امیر غالب نے حاکمِ مراکش حسن کو ایک قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ حسن نے غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو امیر غالب کے سپرد کر دیا جو اُسے قرطبہ لے آیا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے حسن کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اور اسے اپنا مہمان رکھا۔ بعد میں اُس کی اپنی خواہش پر اُسے سکندریہ بھیج دیا۔ امیر غالب نے ایک سال تک مراکش میں رہ کر اُموی اقتدار کو مضبوط و مستحکم بنایا جب وہ ایک سال بعد قرطبہ آیا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔

خلیفہ الحکم ثانی کے کارہائے نمایاں

خلیفہ الحکم ثانی اُندلس کے حکمرانوں میں ایک عظیم مرتبے کا مالک تھا۔ خلیفہ الحکم ثانی کے زمانے میں زیادہ لڑائیاں نہیں ہوئیں اور جو ہوئیں اِن میں اِسے کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو ایک اچھا سپہ سالار ثابت کیا۔

i۔ علم و اَدب کی سرپرستی

خلیفہ الحکم ثانی کو علم و اَدب کی سرپرستی کرنے کا موقع ملا۔ علمی اور ادبی سرگرمیوں میں اس کے وزیر جعفر نے بھی خلیفہ کی بھرپور معاونت کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ الحکم ثانی کا وزیر جعفر کسی طور بھی ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی سے علم و اَدب کی سرپرستی کرنے میں کم نہ تھا۔ خلیفہ نے ملک میں جگہ جگہ کالج اور دارالعلوم قائم کیے۔ طلباء کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جاتے تھے۔ ایسے طالب علم جو باہر سے آتے اور جب تک اُندلس کے اندر علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے، شاہی مہمان سمجھے جاتے تھے۔ خلیفہ نے تعلیم کی اہمیت کے پیشِ نظر محکمہ تعلیم کی وزارت اپنے بھائی منذر کے سپرد کی تھی۔

ii۔ خلیفہ الحکم ثانی کا ذاتی ذوقِ علم

خلیفہ الحکم ثانی خود بھی علم حاصل کرنے اور کتابیں جمع کرنے کا شوقین تھا۔ دمشق، بغداد، قسطنطنیہ، قاہرہ، قیروان، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ اور بصرہ میں خلیفہ نے اپنے نمائندے

مقرر کر رکھے تھے۔ اِن کا کام یہ تھا کہ جو بھی اچھی اور نایاب کتاب پائیں، فوراً خرید کر خلیفہ کی خدمت میں بھجوائیں۔ اِن نمائندوں کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ وہ علماء کو قرطبہ جانے کی ترغیب دیں، جہاں اُن کی قدر و منزلت بڑھائی جاتی تھی۔ اچھی کتاب حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی جاتی تھی۔ ہر شہر میں کتابوں کو نقل کرنے والے موجود رہتے جن کا کام یہ تھا کہ وہ کتابوں کی نقلیں بنا کر قرطبہ بھیجیں۔

iii۔ خلیفہ الحکم ثانی کا کُتب خانہ

خلیفہ الحکم ثانی کا ایک عظیم الشان ذاتی کُتب خانہ بھی تھا۔ اِس کُتب خانے کی عمارت شاہی محل سے کم نہ تھی۔ اِس کُتب خانے کی عمارت سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھی۔ کتابوں کے لیے صندل و آبنوس جیسی قیمتی لکڑی سے الماریاں بنوائی گئی تھیں۔ ہر الماری میں موجود کُتب کی نوعیت الماری پر درج ہوتی۔ اِس کُتب خانے میں ہزارہا جلد ساز اور کاتب مصروفِ کار رہتے تھے۔ اِس کُتب خانے میں اُس وقت موجود کتابوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔

ولی عہدی

365ھ میں خلیفہ الحکم ثانی نے اپنے گیارہ سالہ بیٹے ہشام کو ولی عہدِ خلافت بنا کر اُمراء، وزراء اور اراکینِ سلطنت سے اُس کی بیعت لی، اور ساتھ ہی تمام رعایا سے بھی بیعت لے لی گئی۔

وفات

2 ماہِ صفر 366ھ کو سولہ سال حکومت کرنے کے بعد 64 سال کی عمر میں خلیفہ الحکم ثانی نے بعارضہ فالج بیمار ہو کر قرطبہ میں وفات پائی۔ اسکے بعد اِس خاندان کو زوال آنا شروع ہوا اور والیوں نے مرکز سے آزادی حاصل کرنے کے اقدامات شروع کیے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہونے کے بعد اُموی آخر کار اُندلس سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

سوالات

i۔ خلیفہ الحکم ثانی نے سرحدی عیسائی حکمرانوں کی باغیانہ سرگرمیوں کو کس طرح سے ختم کیا؟ تفصیل سے بیان کریں۔

ii۔ خلیفہ الحکم ثانی اُندلس پر اُموی اِقتدار کے عروج کی آخری کڑی تھی۔ اِس بیان کی روشنی میں خلیفہ الحکم ثانی کی اِنتظامی اور علمی خدمات کا احاطہ کیجئے۔

iii۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیے:

(ا) خلیفہ الحکم ثانی کا کُتب خانہ (ب) امیر غالب

(ج) جعفر مصحفی (د) قرطبہ کا علمی و ادبی مقام

باب ششم

اُندلس میں عربوں کا تہذیب و تمدّن

اُندلس پر خاندانِ بنو اُمیہ نے 290 سال تک حکمرانی کی۔ عربوں نے آٹھویں سے تیرھویں صدی عیسوی تک یورپ میں تہذیب و تمدن کی عَلمبرداری قائم رکھی۔ جب سارا یورپ تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا تو اُندلس کے مسلمانوں نے اپنے علمی کارناموں اور اعلیٰ تہذیب کی ضیاپاشیوں سے اسے منوّر کیا۔ مسلمانوں نے مختلف شعبوں میں ترقی کر کے اپنے علمی اور فنّی کمالات کا ایک بیش بہا خزانہ مغربی یورپ کی اقوام کے لیے ترکے کی صورت میں چھوڑا۔ اُندلس میں مسلمانوں کے سیاسی، ادبی و علمی کارناموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ سیاسی نظام کی تشکیل

مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں اُندلس کی سرزمین پر ایک معیاری طرزِ حکومت قائم کی جس کی بُنیاد عبدالرحمٰن الداخل نے رکھی۔ اِس نظام میں مرکزی حکومت کا سارا کاروبار وزیروں کے سپُرد ہوتا تھا۔ سلطنت کا افسرِ اعلیٰ خُود امیر یا خلیفہ ہوتا تھا۔ اُمورِ مملکت چلانے کے لیے امیر یا خلیفہ کی رہنمائی کے لیے ایک مجلسِ مشاورت ہوتی تھی جس کے ارکان کو وزیر کہا جاتا تھا۔ اِس مجلسِ مشاورت کی حیثیت موجودہ زمانے کی وزارتی کونسل کے مترادف ہوتی تھی۔ اس کونسل کے صدر کو حاجب یا وزیرِ اعظم کہتے تھے۔ وزیرِ اعظم کا عُہدہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا تھا اور اس پر تقرری کے لیے کسی بہت ہی بااِعتماد شخص کو مُنتخب کیا جاتا تھا۔ ایسا شخص عام طور پر خلیفہ یا امیر کا کوئی بہت قریبی رشتہ دار ہی ہوتا تھا۔ عام طور پر حکومت کے ہر شعبے کے لیے الگ الگ وزیر ہوتے تھے۔ مرکزی حکومت کے شعبوں میں مندرجہ ذیل پانچ دیوان یا محکمے خصوصی اہمیت کے حامل تھے:

i۔ دیوان یا محکمہ مالیات

یہ محکمہ مرکزی حکومت کے تمام محصولات اور اخراجات کا باقاعدہ حساب کتاب رکھتا تھا۔ خسارے والے صوبوں کی امداد، اور زائد آمدن

والے صوبوں سے بچت شدہ رقوم وصول کرتا تھا۔ اموی خلفا کی ذاتی زرعی زمینوں کی نگرانی بھی اسی محکمے کی ذمہ داری تھی۔

ii۔ دیوان یا محکمہ خاتم

خلیفہ کے فرامین اور احکامات کی مستند نقول کا ریکارڈ رکھنا اور متعلقہ صوبائی حکومتوں کو ان کی روشنی میں ہدایات روانہ کرنے کا فرض اس محکمہ کی ذمہ داری تھی۔

iii۔ دیوان البرید یا محکمہ ڈاک

سرکاری ڈاک کو صوبائی حکام تک پہنچانا اس محکمے کے سپرد تھا۔ بعد میں عام لوگوں کے خطوط بھی اسی محکمے کے ذریعے خلافت کے گوشے گوشے میں پہنچائے جاتے تھے۔

iv۔ دیوان الجند یا محکمہ فوج

تمام عرب اور بعض غیر عرب فوجیوں کے بارے میں مستند ریکارڈ کے رجسٹر رکھنا اور انھیں تنخواہیں اور پنشن دینا اس محکمے کی ذمہ داری تھی۔

شعبہ عدل و انصاف

یہ شعبہ براہ راست حکمران کی ماتحتی میں ہوتا تھا۔ سارے ملک میں کئی قاضی مقرر تھے جن کا سربراہ "قاضی القضاۃ" کہلاتا تھا۔ قاضی اپنے فیصلے اسلامی شریعت و فقہ کی روشنی میں کیا کرتے تھے۔ ان فیصلوں کے خلاف اپیل قاضی القضاۃ یا خلیفہ کے پاس کی جا سکتی تھی۔ غیر مسلموں کے لیے اپنے جج مقرر تھے جو ان کے مذہب اور رواج کے مطابق فیصلے کرتے۔

اُندلس میں پولیس کے افسر کو "صاحب الشرطہ" کہا جاتا تھا۔ نظم و نسق بحال رکھنے کے لیے اسے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ ہر شہر میں ایک مجسٹریٹ ہوتا تھا جسے "صاحب المدینہ" کہا جاتا تھا۔ اُندلس میں مُحتسب کا عُہدہ بھی نہایت اہم تھا۔ اس کے فرائض تھے کہ وہ منڈیوں کا معائنہ کرے، دُکانداروں کے باٹوں اور ترازوؤں کا جائزہ لے اور دھوکہ دینے والوں کو فوری سزائیں دے۔

2۔ عسکری نظام

ملک کا عسکری نظام مضبوط بُنیادوں پر قائم تھا۔ فوج کا زیادہ تر حصہ بربروں اور موالیوں پر مشتمل تھا۔ اِن کے مقابلے میں فوج میں عربوں کی تعداد کم ہوتی تھی۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الداخل کے عہد میں شاہی افواج کی تعداد ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھی۔ اُندلس کے اُموی حُکمرانوں کے دَورِ عُروج میں اِن کا بحری بیڑہ عیسائیوں کے متحدہ بحری بیڑے

سے زیادہ مضبوط تھا۔ ملک میں جہاز سازی کے کارخانے قائم تھے۔ بحری بیڑے کے افسرِ اعلیٰ کو امیر الماء کہتے تھے۔ بحری اور برّی فوج کا افسرِ اعلیٰ خود خلیفہ تھا لیکن ولایتوں میں فوج کی سپہ سالاری والیانِ ولایت کے سپرد ہوتی تھی۔ برّی فوج دو حصّوں میں منقسم تھی :

i۔ باقاعدہ فوج

ii۔ بے قاعدہ فوج

باقاعدہ فوج کو ماہوار تنخواہ سرکاری خزانہ سے ادا کی جاتی تھی۔ بے قاعدہ فوج ایسے رضاکار سپاہیوں پر مشتمل ہوتی جو بہ وقتِ ضرورت اپنی مرضی سے جنگ میں شامل ہونے کی درخواست کرتے تھے۔ ہر سال جنگی مشقیں ہوا کرتی تھی جن میں سپاہیوں کو جنگ کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔

برّی فوج کی تقسیم کچھ اس طرح سے تھی : حربیہ ۔۔ اِن کا لباس زرہ و خود اور ہتھیار نیزہ و تلوار ہوتے تھے۔ رامیہ ۔۔ یعنی تیر انداز ، سواروں کا لباس زرہ بکتر اور ان کے ہتھیار تلوار، نیزہ اور تیر ہوتے تھے۔ فوج دس دس ہزار کے دستوں میں منقسم ہوتی تھی۔ ہر دستے کے سپہ سالار کو جرنیل، ایک ہزار سپاہیوں کے افسر کو قائد، سو سپاہیوں کے افسر کو نائب اور دس سپاہیوں کے افسر کو العریف کہا کرتے تھے۔ خلیفہ کی حفاظت کے لیے ایک خاص فوج مقرر تھی۔ جس کی ماہوار تنخواہ دوسرے گروہوں کی افواج سے زیادہ ہوتی تھا اور ان کا لباس بھی امتیازی ہوتا تھا۔

اِنجنئیر : فوج کے آرام و آسائش کا عربوں کو بڑا خیال تھا۔ ہر فوج سے منسلک ایک گروہ انجنئیروں اور مزدوروں کا ہوتا تھا۔ یہ گروہ افواج کے لیے آمد و رفت کے انتظامات مہیا کرتا تھا۔ انجنئیر ز گروہ کے افسر کو امیر المنجنیق کہا جاتا تھا۔

فوجی شفاخانہ میدانِ جنگ میں زخمیوں کے علاج معالجے کے لیے ہر فوج کے ساتھ دواخانہ، اُونٹوں پر پلنگ اور ضروری سامان مہیا رہتا تھا۔

عسکری جاگیریں بعض اوقات افسرانِ فوج کو تنخواہ کی جگہ جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں ایسے لوگوں کا فرض تھا کہ اِس جاگیر کی آمدنی پر اپنی اپنی فوج حسب حیثیت تیار رکھیں۔ ایسے جاگیر دار کو صاحب المعاقل کہتے تھے۔

3 - **صُوبائی نظام** عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں اُندلس کی اسلامی ریاست کے چھ صُوبے تھے۔ صُوبے کا افسرِ اعلیٰ والی کہلاتا تھا جو بوقتِ

ضرورت سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ صوبائی والی حکومت کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے، لیکن پولیس اور عدلیہ اس کے حلقۂ اقتدار سے باہر تھے۔ عسکری اور شہری معاملات میں ہر والی خلیفۂ وقت کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت خلیفۂ وقت کو مُسلح دستے مُہیا کرنے اور اِن کی رسد کا اِنتظام کرنے کا پابند تھا۔

اُندلس میں عربوں کے تمدّنی و علمی کارنامے

مُعاشرہ اُندلس کے مُسلمان یورپ کی سب سے مُتمدن اور شائستہ قوم تھی۔ ان لوگوں نے بہت خوبصورت شہر بسائے۔ شہروں کے شاندار مکانات، کُشادہ سڑکیں اور باغیچے بے مثال تھے۔ شہروں میں پائپ لائنوں کے ذریعے پانی لایا جاتا تھا۔ گلیوں اور سڑکوں پر روشنی کا موزوں اِنتظام ہوتا تھا۔ لوگ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ لوگ فارغ البال تھے۔ اُندلسی مسلمان مُتعصب نہ تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ اِن کا سلوک اچھا تھا۔ خواتین کو بہت حقوق حاصل تھے۔ اکثر عورتیں تعلیم حاصل کر کے عالم و فاضل بن گئی تھیں۔

تعلیم اُندلس میں اُموی خلفائے نے تعلیم کی جانب خصوصی توجہ کی۔ تعلیم عام تھی۔ نصاب میں قرآن کی تفسیر، حدیث اور فِقہ کے علاوہ فلسفہ، عربی گرامر، لُغت نویسی، تاریخ اور جُغرافیہ شامل تھے۔ مسجدوں اور مدرسوں میں عیسائی طالب علم بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ قُرطبہ کی یونیورسٹی بہت مشہور تھی۔ اس یونیورسٹی میں قسطنطنیہ اور دُوسرے عیسائی ممالک سے طلبا تعلیم حاصل کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ان دنوں قرطبہ کتابوں کی سب سے بڑی منڈی تھی جہاں علم کے شوقین کتابوں کے نادر قلمی نُسخے خریدنے آیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے اُمراء، علماء کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اِس دَور کے بڑے بڑے علماء ابو ذکریا، یحییٰ بن داؤد، محمد ابن الحسین الزبیدی اور عبد الربیع تھے مگر اُندلس کے مسلمانوں کا سب سے بڑا عالم اور مُفکر ابنِ ہیثم تھا جس کی تصانیف کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی۔

تاریخ اور جغرافیہ علم کے اِن دو شعبوں میں بھی اُندلس کے مُسلمانوں نے بیش بہا اضافے کیے۔ اِس دَور کے مشہور مؤرخ ابوبکر ابن عمر، عبدالواحد مراکشی، ابوالولید عبداللہ بن محمدؒ، ابوجعفر احمد ابن یحییٰ اور ابن الخطیب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے بڑا مؤرخ علامہ ابن خلدون تھا۔ اِس نامور مؤرخ نے "مقدمۂ تاریخ" تین جلدوں میں لکھا جس میں فنِ تاریخ نویسی سے مُدلّل بحث کی گئی ہے۔ ابن الخطیب مشہور سیاستدان اور شاعر ہونے کے

علاوہ ایک اعلیٰ پایہ کا مؤرخ بھی تھا۔ ابن الخطیب ساٹھ مختلف کتابوں کا مُصنّف بھی تھا۔ اس کی تصنیف "غرناطہ کی تاریخ" کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ جُغرافیہ دانوں میں ابوعبیدہ، عبداللہ ابن عبدالعزیز اور الادریسی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ عبداللہ محمد ابن الادریسی نے سیاحت نامے میں بطلیموس، مسعودی اور دوسرے متقدمین کی جغرافیائی تحقیقات کا تفصیلی ذکر نقشوں کے ساتھ دیا ہے۔ یورپ کے جُغرافیہ دان الادریسی کے سیاحت نامے سے تین سو برس تک استفادہ کرتے رہے ہیں۔

علم و ادب کی ترقی

اُندلس کے مُسلمان خلفاء چونکہ علم و ادب کے بڑے دلدادہ تھے اس لیے اُنھوں نے علم و ادب کو خُوب ترقی دی۔ عربی زبان کو عیسائی اور یہودی بڑے شوق سے سیکھتے تھے۔ عربی ادب کا فروغ کافی حد تک اِن کی علمی کوششوں کی مرہونِ منت ہے۔

اُدب میں عرب مُصنّفین نظم کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اُندلس کے بعض حکمران خُود بھی شاعر تھے اور بڑے شعراء بھی اِن کے درباروں کی زینت تھے۔ اِسی طرح سے عربی نثر کو بھی عرب ادیبوں نے اُندلس میں خُوب فروغ دیا۔

اِن ادیبوں نے بھوت پریت کی کہانیوں کو چھوڑ کر افسانوں، قِصّوں اور اخلاقی کہانیوں کو سبق آموز رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ لوگ اِنھیں پڑھ کر عبرت حاصل کریں اور ان کی اخلاقی سطح بلند ہو۔

یورپ کے ادیبوں، انشاپردازوں اور شاعروں پر ان عرب مصنفین کا بہت گہرا اثر مرتب ہوا۔ ہندوستانی سے عربی زبان میں ترجمہ شدہ کتاب "کلیلہ و دمنہ" کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں بھی کیا گیا۔ حکیمانہ اقوال عربی زبان سے ہسپانوی زبان میں منتقل ہوگئے۔ ہسپانوی زبان میں عربی کے بہت زیادہ الفاظ استعمال ہونا شروع ہوئے۔ یورپ میں مختلف علوم مثلاً ریاضی، طِب، علمِ نباتات، فنِ جہازرانی اور بحری انتظام کی اصطلاحات عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔

یورپ کے شعراء عرب شعراء سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ردیف، قافیہ، فطرت نگاری کے سلسلہ میں اور شاعری میں رنگِ تغزل پیدا کرنے میں یورپین شعرائے نے عربوں کی تقلید کی۔ صرف علمِ طب میں عربی زبان کی تین سو سے زائد کتابوں کے ترجمے لاطینی اور ہسپانوی زبانوں میں ہوئے۔ اِن ترجموں کی بدولت یورپ والے مسلمانوں کی علمی کوششوں سے آشنا ہوئے۔ جس نے یورپ کی علمی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد کا کام دیا۔ اِس علمی اختلاط کی بدولت اُندلس کے عیسائیوں نے عربی تمدن، لباس اور عربی وضع قطع کو اختیار کیا۔ کئی مُسلمان مردوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کیں۔ عربوں کی تہذیبی

روایات کی بدولت ازمنہ وسطیٰ کے یورپی اُمرائے کے اخلاق و اطوار بہت حد تک سنور گئے۔

مُسلمان علمائ

مُسلمان علمائ میں ابنِ ماجہ کا بہت بڑا درجہ ہے۔ یہ شخص فلسفہ، طب، سائنس اور دیگر علوم کا ماہر تھا۔ اس نے بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں۔
ابنِ رُشد ایک مشہور فلسفی تھا جس کے فلسفے نے یورپ کو بڑا متاثر کیا۔ اہلِ یورپ نے مسلمانوں ہی سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

علمِ ریاضی

مُسلمانوں کے اِس دَور میں علمِ ہیئت نے بڑی ترقی کی۔ ستاروں کی گردش اور آسمانی بُرجوں کے جو نام تجویز کیے گئے، وہی نام آج تک رائج ہیں۔
علمِ حساب میں تو مسلمان اہلِ یورپ کے اُستاد تھے۔ مُسلمانوں نے ہی اہلِ یورپ کو ہندسوں سے آگاہ کیا تھا۔ حساب کتاب کے آسان طریقے رائج کیے تھے اور تمام یورپ میں ریاضی کو ہسپانیہ سے پھیلایا۔

علمِ طب

اُندلس کے مسلمانوں نے مصوری کے ساتھ ساتھ علمِ طب میں بھی بڑی ترقی کی۔ مُسلمانوں نے بڑی تحقیق کے بعد کئی کتابیں تحریر کیں۔ یہ کتابیں صدیوں تک عیسائیوں کی درسگاہوں میں نصابی کُتب کا کام دیتی رہی ہیں۔
مسلمان جراحی کے ماہر تھے۔ ابنِ زہر زہراوی، ابنِ خطیب، ابنِ رُشد اور ابنِ بیطار مشہور طبیب تھے جنھیں جڑی بوٹیوں میں مہارت حاصل تھی۔

علمِ نباتات

علمِ نباتات میں بھی اُندلسی مسلمانوں کے کارنامے نہایت شاندار ہیں۔ اِس کی اِبتداء عبدالرحمٰن الداخل نے کی جس نے قرطبہ میں ایک خوبصورت باغ لگوایا۔ بہت جلد اُندلسی مسلمانوں نے اور مختلف اقسام کے نادر درختوں کے باغات لگوائے۔
قرطبہ کے نامور طبیب ابوجعفر احمد بن محمد نے افریقہ اور اُندلس کے پودوں کے ناموں کی عربی زبان میں فہرست تیار کی۔ اِن پودوں کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے خواص کا بھی ذکر کیا۔

فنونِ لطیفہ

اُندلسی مسلمانوں نے مصوری، سنگ تراشی اور موسیقی میں حیرت انگیز ترقی کی۔ موسیقی کے وہ بڑے ماہر تھے۔ ان کی وجہ سے فنِ موسیقی یورپ میں رائج ہوا۔
اِس دَور کا مشہور موسیقار زریاب تھا۔ اِس کے علاوہ ابوقاسم عباس ابن فرناس خاص طور پر مشہور ہے۔ یہ شخص موسیقی کے علاوہ طبیعات میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ہسپانیہ کی رائج شدہ دُھنیں آج بھی یورپی موسیقی پر اثر رکھتی ہیں۔ شعر و شاعری میں بھی مسلمانوں نے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ ابنِ زیدون ہسپانیہ کا بہت بڑا شاعر تھا جس کا سرپرست والیٔ اشبلیہ بھی بہت بڑا شاعر تھا۔ اپنے کلام کی وجہ سے اسے

بھی بڑی شہرت حاصل تھی۔

فنِ تعمیر فنِ تعمیر میں بھی ہسپانوی مسلمان بے مثال شہرت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے فنِ تعمیر کے انمول یادگار نمونے چھوڑے ہیں۔ اِس دَور کی عمارات کی شان و شوکت آج بھی اُندلس میں مسلمانوں کے زرّین زمانہ کی عکاسی کرتی ہے۔ اگرچہ گردشِ زمانہ نے اِن عمارات کو نیست و نابود کر دیا ہے لیکن پھر بھی ان کی چمک دمک باقی ہے۔ عمارات میں قصرِ زُہرا، مدینۃ الزہرا، جامع مسجد قرطبہ، قصرِ الحمراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِن کی سجاوٹ سے انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اُندلس کے مسلمان مصوری اور سنگ تراشی میں بھی ماہر تھے۔ الحمرائ کے کھنڈرات میں سنگ تراشی کے نادر نمونے دستیاب ہوئے ہیں۔ قصرِ زہرا کے دروازے پر ملکہ زہرا کا خوبصورت مجسمہ نصب تھا۔ قصرِ الحمرائ میں شیروں کے مجسمے اور فوارے وغیرہ سنگ تراشی کے اعلےٰ نمونے ہیں۔ محلوں کو خوبصورت تصاویر سے مزیّن کیا گیا تھا۔ غرضیکہ ہسپانوی مسلمانوں نے دُنیا کی تہذیب و تمدن اور علم و فن میں بہت اضافے کیے۔

اُندلس میں مُسلمانوں کی تمدّنی کارناموں میں قرطبہ کا حصّہ

عبدالرحمٰن ثالث اور اِس کے جانشینوں کے عہد میں اُندلسی مسلمانوں کی سلطنت انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اُندلس کا پایۂ تخت یورپ بھر میں متمدّن و مہذّب شہر تصور کیا جاتا تھا اور کسی طور بھی قسطنطنیہ سے اہمیت میں کم نہ تھا۔

در اصل عبدالرحمٰن الداخل کے عہد میں خوبصُورت عمارات بننے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اِس کے عہد میں شہرِ قرطبہ کے وسط میں ایک شاندار مسجد کی بُنیاد رکھی گئی تھی۔ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں اِس مسجد کی توسیع کی گئی۔ نئی مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ پایۂ تخت کے قُرب و جوار میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے باغات لگوائے گئے۔ عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں قرطبہ شہر کی لمبائی چوبیس میل اور چوڑائی چھ میل سے زیادہ تھی۔ شہر کے اِرد گرد مضبُوط فصیل تعمیر کی گئی تھی جس کے سات دروازے تھے۔ ہر دروازے کے پھاٹک پر تانبا چڑھایا گیا تھا۔ شہر کے اندر بادشاہ اور اُمرائے سلطنت کے ساٹھ ہزار محلات کے علاوہ عام لوگوں کے لیے دو لاکھ مکانات، اسی ہزار دکانیں، اڑتیس سو مساجد اور تقریباً چار ہزار گودام تھے۔ شہر کی آبادی دس لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس شہر کو اپنے خوبصورت محلات اور شاندار کتب خانوں کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل تھی۔ شہر کی سڑکیں کشادہ اور ان پر روشنی کا موزوں انتظام تھا۔

زرعی، صنعتی اور تجارتی حالت

اُندلس میں مسلمانوں نے زراعت اور باغبانی کو بہت ترقی دی۔ طرح طرح کے پھلوں اور پھولوں کی کاشت کی۔ چاول، کپاس، گنا وغیرہ کی کاشت رُوشناس کروائی گئی۔ اِن کے علاوہ انار، سنگترہ، آڑو، خُرمانی اور ناشپاتی وغیرہ کے پھل اُندلس کی سرزمین پر کاشت کیے جانے لگے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں جاری کی گئیں اور آبپاشی کا اعلیٰ انتظام کیا گیا۔

اُندلس میں مختلف جگہوں پر ریشمی، اُونی اور سُوتی کپڑا بھی بنایا جاتا تھا۔ یہ صنعتیں مُسلمانوں نے شروع کی تھیں۔ عربوں نے اہلِ یورپ کو بارود، کاغذ اور شکر بنانا سکھایا۔ برتن سازی میں بھی اُندلسی مُسلمانوں کا درجہ بہت بلند تھا۔ اِسلامی دَور میں اُندلس کی صنعتی اور زرعی پیداوار ملک کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہُوا کرتی تھی اس وجہ سے برآمدی تجارت زوروں پر تھی اور اس کے مقابلے میں درآمد کم تھی۔ زیادہ تر تجارت افریقہ، مصر، اٹلی، یونان اور شام کے ممالک سے ہوتی تھی۔ غیر مسلم ممالک سے تجارتی لین دین کے تعلقات اکثر یہودیوں اور عربی النسل عیسائیوں کے سپرد تھے۔ برآمدی اشیا میں زیادہ تر حسب ذیل اشیا شامل تھیں: مچھلی، روغنِ زیتون، انجیر، بادام، خشک میوہ جات، چینی، شہد، نمک، ریشم، اُون، رُوئی، عمارتی لکڑی، کاغذ، چمڑہ، قالین، زعفران، آلاتِ حرب، مٹی اور شیشے کے برتن۔ ان کے علاوہ یورپی ممالک اور شمالی افریقہ کے غلام اور لونڈیاں بھی اُندلس کے ذریعے مشرقی ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔ زیادہ تر درآمدی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ درآمدی اشیا میں جانور، پھل دار درخت اور جواہرات وغیرہ شامل تھے۔ بیرونی تجارت میں اُندلس کی عُمدہ بندرگاہیں بہت اہمیت کی حامل تھیں۔

یورپ پر عربوں کے تہذیبی اثرات

i۔ ادبی اثرات

ادب میں اہلِ یورپ نے عربوں کی پیروی کرتے ہوئے افسانوں، قصوں اور اخلاقی کہانیوں کا سِلسلہ شروع کیا۔ شاہ الفانسو نے کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں کروایا۔ خیالات کی بلند پروازی یورپین ادیبوں نے عربوں سے سیکھی۔ تمام یورپی زبانوں میں عربی الفاظ بکثرت مِلتے ہیں۔ علمِ جہازرانی، عِلمِ ہیئت، طِب اور علمِ نباتات کی متعدد اصطلاحات عربی زبان کے مرہونِ منت ہیں۔ یورپ کی اخلاقی کہانیاں زیادہ تر لقمان کی حکایتوں سے ماخوذ ہیں۔

ii۔ سائنسی اثرات

عرب سائنسدانوں نے کیپلر اور کاپرنکیس سے بہت عرصہ پہلے ستاروں کے مدار اور زمین کا سُورج کے گرد گردش کرنا معلوم کیا تھا۔ عرب سائنسدانوں نے زمین کے گول ہونے کے ثبوت فراہم کیے اور اس طرح سے یورپئین سائنسدانوں کے لیے راہ ہموار کی۔ زمانہ وسطیٰ میں یورپی ممالک قدیم رُومی ہندسے استعمال کرتے تھے۔ یورپ کے ایک ریاضی دان لیونارڈ نے عربوں سے عربی ہندسے اور صفر کا استعمال سیکھا۔

iii۔ اخلاقی اور معاشرتی اثرات

یورپی اقوام کے اخلاق و اطوار پر بھی مسلمانوں کا اثر خوشگوار پڑا۔ مُسلمانوں کا فوجی آئین یورپ کی عیسائی طاقتوں کے فوجی قوانین سے زیادہ شُستہ اور بہتر تھا اس لیے اہلِ یورپ نے اِسے اپنانا شروع کیا۔ مُسلمانوں کے ساتھ میل جول سے یورپ والوں کی جہالت اور بربریت کم ہو گئی۔ اُنھوں نے عہد کی پابندی، بوڑھوں اور عورتوں سے فیاضانہ سلوک مُسلمانوں ہی سے سیکھا۔

ایک فرانسیسی مؤرخ کی رائے کے مطابق اُندلس میں عربوں کی معاشرت نے اُن کے اخلاق اور زندگی کی اقدار کو متاثر کیا۔ اِس طرح سے زمانہ وسطیٰ کے اُمراء کی بُری عادتیں دُرست ہو گئیں۔ ڈاکٹر گستاولی بان کو بھی اِس بات کا اعتراف ہے کہ اُندلس کے عربوں کی بدولت یورپ کی نیم وحشی اقوام مُہذّب ہو گئیں۔ عربوں کی علمی شعاعوں سے یورپ کی جہالت کا اندھیرا چھٹ کر رہ گیا۔ عربوں نے یورپی اقوام کے لیے علوم وفنون کے دروازے کھول دیے۔ مُسلمانوں کے پسندیدہ اخلاق سے متاثر ہو کر لاکھوں عیسائیوں اور یہودیوں نے اِسلام قبول کر لیا۔

سوالات

i۔ اُندلس میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کے کیا بُنیادی خدوخال تھے؟ بیان کریں۔

ii۔ اُندلس میں مسلمانوں کے تہذیبی اور علمی کارناموں نے یورپ کو کس حد تک متاثر کیا؟ بیان کریں۔

iii۔ اُندلس کے اُموی خلفائے نے جو نظامِ حکومت تشکیل دیا اس کے اہم خدوخال مختصر طور پر بیان کریں

iv۔ مختصر نوٹ لکھیں:

(ا) قرطبہ بحیثیتِ مُسلم تمدّنی مرکز کے (ب) اُندلس میں علم التاریخ وجغرافیہ کی ترقی۔

باب ہفتم

اُندلس میں سلطنتِ بنو اُمیّہ کے زوال کے اسباب

عبدالرحمٰن الداخل نے 138ھ میں اُندلس میں داخل ہو کر خاندانِ اُمیّہ کی حکومت قائم کی ۔ اُس کی اولاد میں ہشام بن محمد کے فوت ہونے پر 428ھ میں حکومتِ بنو اُمیہ کا 290 سالہ دَور ختم ہو کر رہ گیا۔

خلیفہ الحکم ثانی تک اِس خاندان کی حکومت عروج پر رہی ، کیونکہ اُس وقت تک اُموی سلطنت کے حکمران باصلاحیت تھے۔ وہ ہر قسم کی مشکلات کا اُولوالعزمی اور حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کر سکتے تھے ۔ الحکم ثانی تک اُندلس میں اُمویوں نے علوم و فنون کو بے پناہ ترقی دی ۔ موجودہ یورپ کی علمی ترقی اِنہی علم دوست اموی خلفائے کے مرہونِ منت ہے۔ قرطبہ میں اِن اُموی خلفائے نے ایسی علمی مشعل روشن کی تھی جس سے تمام یورپ نے استفادہ کیا ۔ اِس پسِ منظر کو مدِنظر رکھتے ہوئے غور کا مقام ہے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت کے زوال کا سبب کیا تھا۔ زوال کی چند خاص وجوہات یہ تھیں :

i۔ موروثی بادشاہت اُندلس میں اُمویوں نے موروثی بادشاہت کو اپنائے رکھا۔ جب تک موروثی خلفاءٔ باصلاحیت رہے، سلطنت عروج کی جانب گامزن رہی۔ لیکن کمزور حکمرانوں کے آنے سے اِس عظیم سلطنت کو زوال آیا۔

ii۔ اُمرائے سلطنت کی نااہلی آخری اُموی خلفائے اُندلس کے دَور میں اُمرائے سلطنت آپس میں اقتدار کے لیے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دیتے رہے۔ اس سے حکومت کے اقتدار پر کاری ضرب لگی اور سلطنت پر زوال کے اثرات واضح طور پر آنے لگے۔

iii۔ مذہب سے دُوری اور عیش پرستی اُندلس میں جب تک مُسلمان تعلیماتِ اسلام کے پابند رہے، کامیابی نے

اُن کے قدم چومے۔ لیکن جب اُنھوں نے تعلیماتِ اِسلام کو نظر انداز کر کے عیش و عشرت کی جانب توجہ دی تو ناکامی اِن کا مُقدّر بن گئی۔ اکثر مسلمان حکمرانوں نے اپنے حرم میں عیسائی عورتوں کو داخل کیا جنھوں نے اِسلامی اقتدار کو سخت نقصان پہنچایا۔ ان عیسائی عورتوں نے عیسائی اِقتدار بحال کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

iv۔ **غلاموں کی بھرتی**

اُندلس میں اُموی حکمرانوں نے غلاموں کو بھرتی کر کے انھیں ذاتی محافظ (باڈی گارڈ) کے فرائض سونپے لیکن یہ ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ثابت ہوئی۔ رفتہ رفتہ اِن غلاموں کو اپنی طاقت کا احساس ہوا اور وہ ریاست کے اہم مُعاملات میں دخل دینے لگے۔ ایسی صُورت میں اُندلس میں اُموی حکومت کا روبہ تنزّل ہونا ایک لازمی امر تھا۔

v۔ **سیاسی بدامنی کا اثر**

آخری اُموی حکمران سیاسی طور پر بڑے کمزور ثابت ہُوئے۔ سیاسی بدامنی کا زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت پر بہت اثر پڑا۔ ریاست کی آمدنی میں بھی بہت کمی واقع ہوئی۔ آمدنی کی کمی کے باعث سلطنت کے انتظامی اور دفاعی امور متاثر ہوئے۔ ریاستی ملازمین نے رشوت ستانی اور بدعنوانی کو فروغ دیا۔ سرکاری اہل کاروں کی اخلاقی پستی اُندلس میں اُموی اقتدار کے خاتمے کا سبب بنی۔

vi **آخری اُموی خلفاء کی نااہلی**

شخصی حکومت کی کامیابی کا انحصار حکمران کی ذاتی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ اُندلس میں ہشام ثانی کے عہد تک کے اُموی خلفاء نہایت قابل اور تجربہ کار اشخاص تھے۔ اُنھوں نے ملک میں امن قائم کر کے تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ دیا تھا مگر آخری اُموی حکمرانوں میں قابلیت مفقود تھی۔ اُنھوں نے اُمورِ سلطنت کی کٹھن ذمہ داریوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے حرم کی پُر آسائش زندگی کو ترجیح دی۔ اِن میں سے اکثر شراب نوش، موسیقی کے دلدادہ، سُست اور کاہل ثابت ہوئے اس سبب رعایا کے دِلوں میں اپنے حکمرانوں کے متعلق کوئی ہمدردی نہ رہی۔ ایسے حالات میں حکومت بنو اُمیّہ کا زوال لازمی تھا۔

vii۔ **مُسلمان طبقوں میں اتحاد کا فُقدان**

اُندلس میں اُموی اقتدار کی کمزوری کی سب سے اہم وجہ اِن میں ملّی شعور اور دینی جذبے کا

فقدان تھا۔ نااہل، عیش پرست اور خویش نواز حکمرانوں سے بیزار ہوکر وہاں کے مسلمان کئی طبقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اُن کی یکجہتی اور اتحاد ختم ہوگیا۔ ایسی صورتِ حال میں مملکت کا برقرار رہنا مشکل ہوگیا، اس لیے مایوس اور دل برداشتہ ہوکر مسلمانوں نے اُندلس سے نکلنا شروع کیا۔ اُندلس سے مسلمانوں کے مکمل انخلاء کی وجہ اُموی اقتدار کا زوال اور خاتمہ ہے۔ مسلمان کئی طبقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ مملکت کا اتحاد ختم ہوچکا تھا۔ ایسی صورت میں زوال لازمی تھا۔ اُندلس میں اُموی اقتدار کا زوال اُندلس سے مسلمانوں کے مکمل انخلاء کی بنیاد ثابت ہُوا۔

سوالات

i ۔ اُندلس میں خلافتِ بنواُمیّہ کا خاتمہ کس طرح سے ہُوا؟ تبصرہ کیجئے۔

ii ۔ اُندلس میں بنواُمیّہ کے اقتدار کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

iii ۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں:

(ا) اُندلس میں بنواُمیّہ کے اقتدار کے زوال میں غلاموں کا حصّہ۔

(ب) اُندلس میں موروثی بادشاہت کا بنواُمیّہ کے اقتدار پر اثر۔

جملہ حقوق بحق این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور محفوظ ہیں ۔
تیار کردہ : این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ ، پشاور و منظور کردہ
وزارتِ تعلیم ، حکومتِ پاکستان ، اسلام آباد برائے جملہ کالجز پاکستان ۔

3520

Code No. MA / C - 5 / I - 16

Serial No.

No. of Copies
6,000

Price
Rs. 8.35